



18

حُسْنَة نُبُوت

آیت اللہ شہید اسٹاد مرضی مطہریؒ

شہید مطہری فاؤنڈیشن (پاکستان)

www.shaheedmutahhari.com

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

عرض ناشر

”شہید مطہری فاؤنڈیشن“ دینی مواد کی اشاعت کے سلسلہ میں نیا ادارہ تکمیل دیا گیا ہے۔ ادارے کا مطبع نظر عوام کو بہتر اور سستے ترین انداز میں دینی مواد بذریعہ کتب اور اسٹرینیٹ فرائیم کرنے کا پروگرام ہے۔ اللہ تعالیٰ ادارہ حذ ا کو اس عظیم کام کی انجام دہی کیلئے بھرپور وسائل عطا فرمائے۔

زیر نظر کتاب ختم نبوت، شہید آیت اللہ مرتفعی مطہری کی سمعی جیل کا نتیجہ ہے۔ نبوت، شخصی اور انفرادی پہلو سے ایک فرد انسانی کی روحانی شخصیت کی وسعت کا نام ہے اور عمومی و اجتماعی پہلو سے نبوت کا مطلب عالم انسانیت کیلئے ایک ایسا پیام ہے جو اس کی رہنمائی کی خاطر ایک منتخب شخصیت کے ذریعہ بھیجا گیا ہے۔ یہی وہ نقطہ ہے جہاں سے عقیدہ ختم نبوت سے متعلق مختلف سوالات سامنے آتے ہیں۔ قارئین حضرات اس کتاب سے بھرپور استفادہ کریں۔

معراج کمپنی، کے پلیٹ فارم سے کتاب حذ ا مونین کی خدمت اقدس میں پیش کی جا رہی ہے۔ ادارہ نے کتاب حذ ا کی اشاعت میں پوری توجہ سے کام لیا ہے، تاہم اس بارے میں آپ کی ہمدردانہ آراء ہمارے لئے بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ ہمیں توقع ہے کہ حسب سابق آپ ہماری اس مفید علمی پیشش کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ والسلام

شہید مطہری فاؤنڈیشن

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں۔

نام کتاب	ختم نبوت
مصنف	شہید آیت اللہ مرتفعی مطہری
ترتیب و تصحیح	قلب علی سیال
کمپوزنگ	الحمد گرفکس لاہور۔ فضل عباس سیال
ناشر	شہید مطہری فاؤنڈیشن
تاریخ اشاعت	2014ء
طبع	اول
قیمت	

ملنے کا پتہ

معراج کمپنی

LG-3 بیسمنٹ میاں مارکیٹ غزنی سڑیت اردو بازار لاہور۔

فون: 0321-4971214/0423-7361214

66	ذمہ داری کی منتقلی
66	علمائے اسلام کی ذمہ داری
69	اجتہاد
72	قرآن بے پایان استعداد و سعیت کے اعتبار سے فطرت کی مانند ہے
73	قرآن کے مفہیم ہر زمانہ کے لوگوں کیلئے ترویج تازہ ہیں
75	اجتہاد کی اضافت



7	نبوت
13	دین واحد
31	آسمانے دروازے
36	نبوت تبلیغی
46	جرتاریخ
49	انسانی ضروریات
49	ضروریات کی پہلی قسم
50	ثانوی ضروریات
50	ضروریات کی دوسری قسم
53	زمانے کے تقاضے
56	حرکت و پلک
57	۱۔ حریم دین میں عقل کو جگہ دینا
58	۲۔ جامعیت اور خود قرآن کی تعبیر کے مطابق و سطیت
58	۳۔ اسلام نے کبھی زندگی کی ظاہری شکل و صورت سے بحث نہیں کی
59	۴۔ اس دین کی خاتمیت اور ابتدیت
62	۵۔ اسلامی تعلیمات کی فطرت اور طبیعت کی ساتھ ہم آہنگی
64	۶۔ اسلامی قوانین کو پکیدار بنانے والے قواعد کا وجود
64	۷۔ اسلام کا اسلامی حکومت کو بعض مخصوص اختیارات دینا

فہرست مضمایں

jabir.abbas@yahoo.com
Sabeel-e-Ziaraat

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

jabir.abbas@yahoo.com
www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina

و سعت کا نام ہے اور عومی و اجتماعی پہلو سے نبوت کا مطلب عالم انسانیت کیلئے ایک ایسا یہاں الہی ہے جو اس کی رہنمائی کی خاطر ایک منتخب شخصیت کے ذریعہ بھیجا گیا ہے۔ یہی وہ نقطہ ہے جہاں سے عقیدہ ختم نبوت سے متعلق مختلف سوالات سامنے آتے ہیں۔ کیا ختم انسانیت کے بعد کسی دوسرے نبی کے ظاہر نہ ہونے اور سلسلہ نبوت کے ختم ہو جائے سے روحانی و معنوی پہلوؤں سے انسانیت کو کسی تزلیل کا سامنا کرنا پڑا ہے؟ کیا ما در زمانہ ایسے ملکوتی صفات فرزندوں کو جنم دینے سے عاجز ہو چکی ہے جو عالم غیب و ملکوت سے رشتہ رکھتے ہوں؟ کیا ختم نبوت کا اعلان کرنے کا مطلب فطرت کا بانجھ ہو جانا اور ایسے عالی مرتب فرزندوں کو وجود میں لانے کی صلاحیت سے اس کا محروم ہو جانا ہے؟

اس کے علاوہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انسان خدا کی رہنمائی اور اس کے پیغام کا محتاج ہے اس کی یہ ضرورت ہی سلسلہ نبوت کے آغاز کا سبب بنی۔ ماضی میں مختلف زمانوں اور ادوار کے تقاضوں کے مطابق پیغام الہی کی تجدید ہوتی رہی ہے۔ پیغمبروں کا پے در پے آن شریعتوں کی مسلسل تجدید اور کتب آسمانی کا یکے بعد دیگرے نزول اس لئے ہوا کہ ہر دور میں انسان کی ضروریات میں تغیری آتا رہا ہے اور انسان کو ہر زمانے میں ایک نئے پیغام اور ایک نئے پیغمبر کی ضرورت رہی ہے۔ جب یہ صورت ہے تو کس طرح یہ بات فرض کیا جاسکتی ہے کہ ختم نبوت کے اعلان کے ساتھ ہی یہ رابطہ یک دم منقطع ہو گیا ہے اور وہ پل کہ جس نے عالم انسانیت کو عالم غیب کے ساتھ جوڑ رکھا تھا وہ یک بیک ڈھ گیا ہے، اس کے بعد اب کوئی الہی پیغام انسانیت کی طرف نہیں بھیجا جائے گا تو کیا انسانیت کو فرائض اور اذمہ داریوں کے بغیر یونہی آزاد چھوڑ دیا جائے گا۔

ہم اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ نو^خ، ابراہیم^م موسیٰ^م اور عیسیٰ^م جیسے صاحب شریعت پیغمبروں کے درمیان زمانوں میں کچھ دوسرے پیغمبروں کا سلسلہ

نبوت

دین اسلام کا ظہور اس کے ابدی ہونے اور سلسلہ نبوت کے ختم ہونے کا اعلان دونوں کے درمیان کوئی فصل نہیں ہے۔

مسلمانوں نے ختم نبوت کو ہمیشہ ایک امر واقعہ کے طور پر تسلیم کیا ہے ان کے سامنے یہ سوال کبھی نہیں آیا کہ حضرت محمد ﷺ کے بعد کوئی دوسرے پیغمبر بھی آئے گا یا نہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم نے سلسلہ نبوت کے ختم ہونے کا بڑی صراحت کے ساتھ اعلان کیا ہے اور پیغمبر ﷺ نے خود بھی کئی بار اس کا اعادہ کیا ہے مسلمانوں میں رسول اکرم ﷺ کے بعد کسی دوسرے پیغمبر کے ظہور کے خیال کر خدا کی وحدنیت یا قیامت کے انکار کے مشابہ اور ایمان کے منافی سمجھا گیا ہے۔

مفکرین اسلام نے ختم نبوت کے مسئلے پر اگر کوئی تحقیقی عملی کاوش کی ہے تو اس کا مقصد گراہ کن خیالات کی بخ کرنی کرنا اور عقیدہ ختم نبوت کو زیادہ سے زیادہ واضح اور روشن کرنا رہا ہے۔

یہاں ہم وحی و نبوت کی ماہیت پر گفتگو کرنا نہیں چاہتے۔ یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ وحی ایک ایسی رہنمائی کا نام ہے جو غیب و ملکوت کے ساتھ ضمیر کے ربط و اتصال سے حاصل ہوتی ہے۔ نبی تمام انسانی اور عالم غیب سے ربط و تعلق کا ایک وسیلہ ہے در حقیقت وہ عالم انسانیت اور جہاں غیب کے درمیان ایک پل کی حیثیت رکھتا ہے۔

نبوت، شخصی اور انفرادی پہلو سے ایک فرد انسانی کی روحانی شخصیت کی

ختمنبوت

النَّبِيُّنَ

محمد تم مردوں میں سے کسی کا باپ نہیں ہے لیکن وہ اللہ کا رسول اور انبیاء کے سلسلہ کو ختم کرنے والا ہے۔

اس آیت میں حضرت محمد ﷺ کو خاتم النبین کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ خاتم کا لفظ عرب لغت کے اعتبار سے ایک ایسی چیز کیلئے بولا جاتا ہے جو کسی دوسری چیز کے سلسلے کو ختم کرنے کیلئے استعمال کی جاتی ہے اس لئے اس مہر کو خاتم کہتے ہیں جو خط بند کرنے کے بعد لفافے پر لگائی جاتی ہے۔ رواج کے مطابق انگلشتری کے لئے گینیز پر نام یاد سختخط کندہ ہوتے ہیں اور وہی خطوط پر ثبت کئے جاتے ہیں اسی لئے انگلشتری کو خاتم کہا جاتا ہے۔

قرآن میں جہاں کہیں اور جس صورت میں بھی ”ختم“، ”کامادہ استعمال کیا گیا ہے۔ ختم کرنے یا بند کرنے کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے جیسے کہ سورہ یسین کی آیت 65 میں آیا ہے:

أَلَيْوْمَ بَخْتَمَ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشَهَّدُ أَرْجُلُهُمْ
يَمَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝

آج ہم ان کے منہ پر مہر لگاتے ہیں اور ان کے ہاتھ ہم سے بات کرتے ہیں اور ان کے پر جو کچھ انہوں نے کیا ہے اس پر گواہی دیتے ہیں۔

زیر بحث آیت کا انداز خود یہ بتاتا ہے کہ اس آیت کے نزول سے پہلے پیغمبر اسلام پر سلسلہ نبوت کا ختم ہونا مسلمانوں کے درمیان ایک مسلمہ امرکی حیثیت رکھتا تھا۔ مسلمان جس طرح محمد ﷺ کو خدا کا رسول سمجھتے تھے اس طرح ان کے خاتم النبین ہونے پر بھی یقین رکھتے تھے۔ آیت صرف یہ یادداشتی ہے کہ محمد ﷺ کو کسی کے باپ کی حیثیت

ختمنبوت

بھی موجود ہا ہے اس سلسلے سے تعلق رکھنے والے پیغمبر اپنے سے پہلے کی شریعت کو نافذ کرنے اور پھیلانے کا کام انجام دیتے رہے ہیں۔ نوح ﷺ کے بعد ہزاروں انبیاء آئے ان انبیاء نے نوح ﷺ کی شریعت کو نافذ کیا اور پھیلایا۔ حضرت ابراہیم ﷺ کے بعد بھی ایسا ہی بالفربیہ تسلیم کر لیا جائے کہ شریعت اسلام کی آمد کے ساتھ ہی شریعت لانے والی نبوت اور شریعتوں کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلام کے بعد تبلیغی نبتوں کا سلسلہ کیوں منقطع ہو گیا، جب کہ ماضی میں ہر شریعت کے نازل ہونے کے بعد بے شمار پیغمبر ظاہر ہوتے رہے اور سابق شریعت کی تبلیغ ترویج اور تغہبی کا فرض ادا کرتے رہے لیکن اسلام کی آمد کے بعد اس طرح ایک پیغمبر بھی ظاہر نہ ہوا؟ یہ ہیں وہ سوالات جو عقیدہ ختم نبوت کے بارے میں پیدا ہوتے ہیں۔

ختمنبوت کا عقیدہ اسلام نے پیش کیا ہے اور وہی اس کا جواب بھی دیتا ہے اسلام نے ختم نبوت کا عقیدہ کو ایک ایسے جامع فلسفہ کی صورت میں پیش کیا ہے کہ ذہنوں میں کوئی شک وابہام باقی نہیں رہتا۔

اسلام کی رو سے ختم نبوت کا عقیدہ نہ انسانیت کے تنزل کی علامت ہے اور نہ انسانی صلاحیت کے نقصان کی اور نہ مادر زمانہ کے بانجھ ہو جائے کی اور نہ یہ عقیدہ اس بات کی دلیل ہے تقاضوں کے مطابق کسی رہنمائی کی ضرورت نہیں ہے۔ اسلام اس بارے میں ایک دوسری فلسفہ اور توجیہ پیش کرتا ہے۔

سب سے پہلے ہمیں یہ جانتا چاہیے کہ اسلام نے خود ختم نبوت کے بارے میں کیا کہا ہے اس کے بعد ان سوالات کو جواب تلاش کرنا چاہیے، سورہ اجزاب کی آیت 40 میں ہم پڑھتے ہیں:

مَا كَانَ مُحَمَّدًا أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ

تبدیلیاں تھیں جو آسمانی کتابوں اور انبیاء کی تعلیمات میں کی گئی تھیں۔ چند ہزار سال قبل انسان میں یہ صلاحیت موجود نہیں تھی کہ وہ علمی اور دینی ورثوں کی حفاظت کر سکے ابھی انسان کے اندر اس صلاحیت کے پیدا ہونے کیلئے کافی وقت درکار تھا کہ وہ اپنے دینی ورثوں کو ہر طرح کے نقصان سے بچا کر محفوظ رکھ سکے اور اپنی بھیکیل ورثی کے ایک ایسے مقام پہنچ جائے جہاں پیغام الٰہی کی تجدید اور نئے پیغمبروں کی آمد کی ضرورت باقی نہ رہے اور ایک دین کی یہیگی کے ساتھ باقی رہنے کی لازمی شرط (کافی شرط نہیں) پوری ہو جائے۔

متنزد کرہ بالا آیت نزول قرآن کے بعد سے نبوت و رسالت کی تجدید کے ایک اہم سبب کے ختم ہو جانے کی طرف اشارہ کرتی ہے اور درحقیقت ختم نبوت کی ایک بڑی بنیاد کی توثیق کرتی ہے۔

جیسا کہ سب جانتے ہیں آسمانی کتابوں میں سے اگر کوئی کتاب کسی کی دینی کے بغیر پوری طرح اپنی اصلی حالت میں محفوظ ہے تو یہ صرف قرآن مجید ہے۔ اس کے علاوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی سنتی قطعی صورت میں بلا تردید آفات زمانہ سے آج تک محفوظ چل آ رہی ہیں۔ اہم اس بات کی بعد میں وضاحت کریں گے کہ کتاب آسمانی کو محفوظ رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو ذریعہ بنایا وہ اس دور کے انسان کی رشدہ قابلیت ہے جسے انسان کے اجتماعی بلوغ کی شانی کہا جا سکتا ہے۔

درحقیقت ختم نبوت کے متونوں میں سے ایک بڑا ستون انسان کا اس حد تک اجتماعی بلوغ حاصل کر لینا ہے کہ وہ اپنے علمی اور دینی ورثوں کی حفاظت کر سکے ان کی نشر و اشاعت تعلیم و تبلیغ اور تفسیر و توضیح کر سکے۔ اس پہلو پر ہم بعد میں بحث کریں گے۔

سے نہ پکارو بلکہ حقیقی خطاب رسول اللہ اور خاتم النبیین سے آپ گو خاطب کرو۔

یہ آیت عقیدہ ختم نبوت کے اصل جوہر کی جانب اشارہ کرتی ہے۔ سورہ ججر کی آیت ۹ میں اس طرح آیا ہے:

إِنَّا نَحْنُ نَرَأُنَا الَّذِي نَرَأَنَا وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۖ ۹

ہم نے خود اس کتاب کو نازل کیا ہے اور ہم خود اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

اس آیت میں قرآن کو کسی طرح بھی تحریف و تغیری اور ضایع سے محفوظ رکھنے کا وعدہ جس قطعیت کے ساتھ کیا گیا ہے اس کی نظر نہیں ملتی۔

نئے پیغمبروں کی آمد اور رسالت کی تجدید کے اسباب سے ایک بڑا سبب انبیاء کی لائی ہوئی مقدس کتابوں اور تعلیمات میں لوگوں کی جانب سے کیا جانے والی تحریفات اور تبدیلیاں بھی ہیں ان ہی تحریفات کے سبب سابق انبیاء کی کتابوں اور تعلیمات میں لوگوں کی ہدایت کی صلاحیت پوری طرح باقی نہیں رہی تھی۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ پہلے پیغمبروں کو بھیجا گیا تاکہ وہ انبیاء کی فرماویں کی ہوئی نعمتوں کو زندہ کریں اور ان کی تعلیمات میں جو تحریفات کی گئی ہیں ان کی اصلاح کریں۔

قطع نظر ان انبیاء کے جو صاحب کتاب و شریعت نہیں تھے بلکہ ایک صاحب کتاب و شریعت پیغمبر کے تابع تھے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کے موسیٰ علیہ السلام کے زمانے تک آنے والے پیغمبر اور موسیٰ علیہ السلام سے عیسیٰ علیہ السلام تک ظاہر ہونے والے پیغمبر خود صاحب شریعت انبیاء نے بھی اپنے سے پہلے گزرنے والے پیغمبروں کے ضابطوں اور طریقوں کی تائید کی ہے۔ پیغمبروں کے پہلے درپے آنے کا واحد سبب حالات زندگی میں تبدیلی اور کسی نئے پیغام کی انسانی ضرورت ہی نہیں بلکہ زیادہ تر اس کا سبب وہ تحریفات

دین واحد

پورا قرآن اس بات پر زور دیتا ہے کہ ابتدائے آفرینش سے لے کر قیامت تک دین ایک ہی ہے اور تمام پیغمبروں نے انسانیت کو ایک ہی دین کی طرف دعوت دی ہے۔ سورہ شوریٰ کی آیت 13 میں آیا ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الَّذِينَ مَا وَصَّلَ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكُمْ وَمَا وَصَّلَنَا إِلَيْهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى

ترجمہ: اس نے تمہارے لئے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوچ کو دیا تھا اور جسے (اے محمد) اب تمہاری طرف ہم نے وحی کے ذریعے سے بھیجا ہے اور جس کی ہدایت ہم ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دے چکے ہیں۔

قرآن نے ہر جگہ اس دین کو اسلام ہی کے نام سے یاد کیا ہے جس کی طرف آدم سے لے کر خاتم تک تمام انبیاء نے لوگوں کو دعوت دی ہے۔ مراد یہ نہیں ہے کہ ہر زمانے میں اس دین کا نام لفظاً اسلام ہی آیا ہے مدعایہ ہے کہ دین جس حقیقت و مہیت کا حامل ہے اس کا بہترین اظہار لفظ اسلام ہی سے ہو سکتا ہے۔ سورہ آل عمران کی آیت 67 میں ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں آیا ہے:

مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصَارَائِيًّا وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُسْلِمًا

ترجمہ: ابراہیم یہودی تھا نہ عیسائی بلکہ وہ تو ایک مسلم یکسو تھا اور وہ ہرگز مشرکوں میں سے نہ تھا۔

سورہ بقرہ کی آیت 132 میں حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے بُرکوں کے بارے میں آیا ہے:

وَوَصَّلَ إِلَيْهِمْ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ طَبَّيْتَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَى لَكُمُ الَّذِينَ فَلَمْ تُؤْتُنَ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿١٣﴾

ترجمہ: اسی طریقے پر چلنے کی ہدایت ابراہیم نے اپنی اولاد کو کی تھی اور اسی کی وصیت یعقوب نے اپنی اولاد کو کی تھی۔ انہوں نے کہا تھا کہ میرے بچوں، اللہ نے تمہارے لئے یہی دین پیدا کیا ہے لہذا مرتے دم تک مسلم ہی رہنا۔

اس بارے میں قرآن کی آیتیں بہت زیادہ ہیں ان سے کا یہاں حوالہ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ پیغمبروں کی لائی ہوئی شریعتوں اور قوانین میں باہم کچھ اختلاف رہا ہے۔ قرآن جہاں تمام انبیاء کے دین کو ایک ہی قرار دیتا ہے وہاں بعض مسائل میں شریعتوں اور قوانین میں اختلاف کو تسلیم کرتا ہے۔

لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَا جَاءَ

ترجمہ: ہم نے تو تم (انسانو) میں سے ہر ایک کیلئے ایک شریعت اور ایک راہ عمل مقرر کی۔ (سورہ مائدہ آیت 48)

انبیاء علیہم السلام نے جن فکری اور علمی اصولوں کی طرف دعوت دی ہے وہ چونکہ بغیر کسی اختلاف کے ایک ہی ہیں اس لئے وہ شاہراہ اور ہدف بھی ایک ہے جس کی جانب انسانوں کو بلانے کیلئے انہیں مامور کیا گیا تھا۔ شریعتوں اور قوانین کے جزوی اختلاف کا اس جوہ اور مہیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا جسے قرآن کی اصطلاح میں اسلام کہا گیا ہے۔ انبیاء کی تعلیمات میں باہمی فرق و اختلاف کسی ملک کے مختلف منصوبوں اور لوائح عمل کا سامنہ ہے۔ ہر چند کہ انہیں الگ الگ رو عمل لایا جاتا ہے لیکن

یہ بات واضح ہے کہ سورہ حدید کی ابتدائی آیات اور سورہ حشر کی آخری آیات و سورہ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَكْلَمُ کی آیات چند ہزار سال بلکہ ایک ہزار سال پہلے کے انسان کیلئے قابل ہضم نہیں ہو سکتی تھیں، البتہ اہل توحید میں سے تھوڑے لوگ ان آیات کی گہرائی تک پہنچ سکتے تھے کتب اسلامی میں یہ بات آتی ہے کہ: ”اللَّهُ تَعَالَى عِلْمٌ رَّحْمَةٌ لِّلْعَالَمِينَ“ کے بعد کے زمانوں میں گہری فکر کھنے والے لوگ پہنچا ہوں گے تو اس نے قل هُوَ اللَّهُ أَكْلَمُ کی آیات اور سورہ حدید کی ابتدائی پانچ آیتیں نازل کیں۔

کسی بھی بنیادی اصول کے نفاذ کی عمل صورتیں مختلف حالات میں مختلف ہوتی ہیں ان بیانات کے عملی رویے میں جو فرق و اختلاف نظر آتا ہے اس کا تعلق قانون کے نفاذ سے ہے قانون کی روح سے نہیں، اس پہلو پر ہم بعد میں گفتگو کریں گے۔

قرآن نے دین کے کلے کو کبھی جمع کی صورت میں استعمال نہیں کیا قرآن میں دین کا ذکر ہر جگہ واحد و مفرد شکل میں کیا گیا ہے کیونکہ آدم سے لے کر خاتم تک صرف ایک دین موجود رہا ہے کئی ادیان نہیں۔ قرآن نے یہ صراحت بھی کی ہے کہ دین نظرت کا تقاضا انسان کے روحانی وجود کی آواز ہے:

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلّٰهِ يٰمِنْ حَنِيفًا طِفْلَتَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا طِفْلَتَ

اے محمد اپنارخ (اپنی فکر) دین کی سمت جماد و اس حالت میں کہ تم وحدانیت پرست ہو، جو خدا کی فطرت (آفرینش پیدائش) ہے جس پر لوگوں کو خلق کیا گیا ہے۔ (سورہ روم آیت 30)

وہ سب ملک کے ایک ہی آئین سے ہدایت حاصل کرتے ہیں۔ پیغمبروں کی تعلیمات پر بنا ہی اخلاف کے بوجو دیکھ دوسرے کے تکمیل و اتمام کا سبب بنتی ہیں۔ پیغمبروں کی آسمانی تعلیمات کا فرق و اختلاف ان مکاتب خیال کے باہمی اختلافات کی طرف نہیں ہے جو فلسفہ، سیاست اجتماعیات اور اقتصادیات سے تعلق رکھتے ہیں اور مرتضاد افکار کے حامل ہوتے ہیں۔ تمام انبیاء ایک ہی مکتب سے تعلق رکھتے ہیں اور سب THE STSS ایک ہی رہا ہے۔

انیاء کی تعلیمات میں باہی اختلاف کسی درس گاہ کی اعلیٰ وادی جماعتوں کی تعلیمات کی طرح کا یا پھر ایک اصول کے مختلف حالات و شرائط میں نفاذ سے مبتدا ہونے والا اختلاف کا سامان۔

ہم اس بات سے اچھی طرح واقف ہیں کہ اعلیٰ جماعت کے طالب علم کوئی صرف نئے نئے مسائل سے واقفیت حاصل ہوتی ہے بلکہ ان پر انے مسائل کے بارے میں بھی اس کی رائے تبدیلی ہو جاتی ہے جس کا علم اس نے ابتدائی جماعت میں حاصل کیا تھا۔ انباء کی تعلیمات کا بھی یہی حال ہے۔

تو حیدر و پہلا سنگ بنیاد ہے جسے انیاء نصب کرنے میں مصروف رہے ہیں میکن یہی تو حیدر جات و مراتب رکھتی ہے۔ عام آدمی خدائے واحد کا جو تصور رکھتا ہے وہ ایک عارف کے قلب میں پیدا ہونے والی تجھی کی طرف نہیں ہے۔ خود عارفوں کے درجات بھی مختلف ہیں:

”اگر ابوذر جو کچھ سلمانؑ کے دل میں تھا اس سے واقف ہو جاتے تو ان کے بارے میں کفر کا گمان کرنے لگے اور انہیں قتل کر دیتے،“ ①

۲۱۱ اصول کافی، ج ۱

لـو علم أبوذر ما في قلب سليمان لقتله - سفينة البحار، مادة "ذر"

فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ

ترجمہ: نیز اس کی ہدایت یہ ہے کہ یہی میرا سیدھا راستہ ہے لہذا تم اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ اس کے راستے سے ہٹا کر تمہیں پر اگنہ کر دیں گے۔ (سورہ انعام۔ 153)

کی نظر است از اول تاہ آخر
بر اور خلق خدا جملہ مسافر
انسانی ارتقاء کا معاملہ اس طرح کا نہیں ہے کہ وہ ہر دور میں اسباب کے ایک خاص سلسلے کے تحت (صنعتی یا اجتماعی یا اقتصادی) ایک راہ پر اپنا سفر شروع کرے اور مسلسل اپنا راستہ اور سمت دونوں بدلتا رہے۔

قرآن بڑی شدت کے ساتھ دین کے ایک ہونے پر زور دیتا ہے وہ صرف ایک شاہراہ کا قائل ہے شریعتوں اور قوانین کے اختلافات کو وہ ایسی شاخیں قرار دیتا ہے جو ایک نظریے و عقیدہ کی جڑ سے نکلی ہوں۔

انسان ارتقاء کی راہ پر ٹھیک اس قافلہ کی مانند ہے جو ایک متعین منزل کی طرف رواں دوال ہے لیکن اس منزل تک پہنچنے کے راستے سے وہ آگاہ نہیں ہے چند قدم کے بعد وہ کسی واقف راہ سے منزل کا پتہ پوچھتا ہے۔ اس کی بتائی ہوئی نشانیوں کے مطابق کم و بیش دس میل کا راستہ طے کر لیتا ہے لیکن اب اس قافلے کو پھر کسی رہنمای کی ضرورت پیش آتی ہے اور وہ اس کی بتائی ہوئی علامات کے مطابق مزید دس میل کا سفر مکمل کر لیتا ہے۔ اس طرح منزل کی طرف بڑھنے کی اس کی صلاحیت میں بذریح اضافہ ہوتا رہتا ہے بالآخر اسے ایک ایسا شخص مل جاتا ہے جو اسے راہ سفر کا ایک مکمل نقشہ دے دیتا ہے اور قافلہ اسے نقشہ کے حاصل ہونے کے بعد کسی نئے رہبر کی

انسان کی فطرت، سرشت اور طبیعت گوناگوں ہے جب کہ دین ابتدائے آفرینش سے قیامت تک ایک ہی ہے اور وہ انسانی فطرت و سرشت سے تعلق رکھتا ہے اس طرح انسانی فطرت و سرشت بھی ایک سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے تھی۔ اس میں ایک بڑا راز اور عظیم فلسفہ پوشیدہ ہے اور اسی سے ہمیں ارتقاء کا ایک خاص تصور ملتا ہے ارتقاء کے نظریے سے سب واقف ہیں اس مسئلے پر ہر جگہ کوئی ہوتی ہے۔ دنیا کا ارتقاء جانداروں کا ارتقاء انسان اور معاشرہ کا ارتقاء۔

یہ ارتقاء کی چیز ہے اور یہ کس طرح صورت پذیر ہوتا ہے؟ کیا یہ اسباب کا ایک اتفاقی سلسلہ ہے جو ارتقاء کی منزل تک پہنچتا ہے؟ کیا اس کی سرشت میں کوئی ایسی چیز ہے جو خود تکمیل تک پہنچتا ہے اور وہ اپنے اندر ارتقاء کی خواہش رکھتی ہے اس لئے اس نے پہلے سے پہنچنے لئے ارتقاء کی ایک راہ منتخب کر رکھی ہے؟ کیا ارتقاء کا عمل ہمیشہ ایک مقررہ متعین راہ پر اور پہلے سے طے شدہ مقصد و ہدف کے مطابق وقوع پذیر ہوتا ہے یہ عمل چند ایک بار اتفاقی اسباب کے تحت ایک خاص راستے پر صورت پذیر ہوتا ہے اور مسلسل اپنی سمت بدلتا رہتا ہے اور اپنا کوئی خاص مقصد و ہدف نہیں رکھتا؟

قرآن کی رو سے دنیا انسان اور معاشرہ کا ارتقاء ایک ہدایت یا فتنہ باہدف عمل ہے اور یہ ایک ہی راہ پر صورت پذیر ہوتا ہے جسے صراط مسیم کہا گیا ہے۔ اس عمل کا نقطہ آغاز اور راہ سفر اور منزل مقصود سب متعین و مشخص ہیں۔

انسان اور معاشرہ تغیر پذیر ہیں لیکن ان کی سمت اور راہ سفر ایک ہی ہے اور وہ مسیم ہے۔

وَأَنَّ هَذَا صِرَاطٌ نَّمِسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا تمام انبیاء کی تعلیمات میں وسطیت اور تعامل موجود نہیں رہا ہے۔ اس سوال کے جواب میں کچھ کہنا ضروری ہے اس روئے زمین پر انسان ہی ایک جاندار مخلوق نہیں ہے اور صرف وہی اجتماعی انداز میں زندگی بس کرنے کا عادی نہیں ہے، دوسری جاندار مخلوقات بھی ہیں جو مقررہ معمولات، ایک خاص نظم اور ڈھانچے کے مطابق زندگی بس کرتی ہیں۔ انسان کے بر عکس ان کی زندگی جگل کے زمانے پتھر کے زمانے لو ہے کے زمانے ایٹم کے زمانے سے آشنا نہیں ہے۔ روز اول سے جب سے کوہ وجود میں آئی ہیں ان کی زندگی کا ایک ہی منظم اور ڈھانچہ ہے۔ یہ انسان ہی ہے جو اس آیت قرآنی کے مطابق ہے۔

وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِينَفًا^{۱۸}

ترجمہ: انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔ (سورہ نساء)

اپنی زندگی کا آغاز صفر سے کرتا ہے اور ترقی کے لامتناہی راستے پر آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ انسان فطرت کا ایک ہونہا اور بالغ فرزند ہے اسی لئے اسے آزادی و خود اختیاری حاصل ہے اسے کسی مستقل ناظم و سرپرست اور اسی جبری ہدایت کی ضرورت نہیں جس پر عمل کرنے کیلئے کوئی پوشیدہ اندر و فی قوت اسے مجبور کرے۔ دوسرے جاندار جو کچھ جلت کے سامنے سر جھکا کر انجام دیتے ہیں وہ انسان آزادانہ ماحول میں عقل و قوانین کے مطابق انجام دیتا ہے۔

إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَامَا شَاكِرَةً وَإِمَامَا كَفُورَا^{۱۹}

ترجمہ: ہم نے اسے راستہ دکھا دیا خواہ شکر کرنے والا ہے یا کفر کرنے والا۔

انسان میں اخraf و سقوط اور موجود اخبطاط پایا جاتا ہے ہے جب کہ

ضرورت سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

قرآن نے یہ بات اچھی طرح واضح کر دی ہے کہ انسان ایک متعین و مستقیم راہ ہے اور تمام پیغمبران تمام اختلافات کے باوجود وہ زمان و مکان اور موقع محل کے مطابق انسانی معاشروں کی رہبری میں باہم رکھتے ہیں وہ ایک ہی منزل اور ان ایک ہی شاہراہ کی جانب ان کی رہنمائی کرتے ہیں اس طرح قرآن نے ختم نبوت کی راہ کو ہماری نگاہوں کے سامنے خوب روشن اور اس عقیدے کو پوری طرح واضح کر دیا ہے عقیدہ ختم نبوت اسی صورت میں معقول اور قابل فہم ہو سکتا ہے کہ تغیر پذیر اور ترقی پذیر انسان کی ارتقاء کی راہ متعین اور مستقیم ہو لیکن اس کے بر عکس انسان دوڑھوپ میں ہوا اور ہر دوسرے لمحے اس کی راہ سفر تبدیل ہوتی رہے اوس کے سفر کا مقصد اور منزل متعین نہ ہوا اور وقت کے ہر مرحلے میں وہ ایک دوسرے ہی راستہ اختیار کرے تو پھر ختم نبوت یعنی دائی اور کلی لائج عمل اور نقشہ کار معقول اور قابل فہم نہیں قرار پاتا:

سورة بقرہ کی آیت 143 میں اس طرح آیا ہے:

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ
وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا^{۲۰}

اور اس طرح ہم نے تم مسلمانوں کو ایک امت و سط بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ اور رسول ہم پر گواہ ہو۔

قرآن کی رو سے امت مسلمہ ای کا امت و سط ہے۔

یہ بات ظاہر ہے کہ یہ امت ایسی تعلیمات کی پروردہ ہے جو تو سط و تعامل کی حامل ہے قرآن کی یہ آیت ختمی امت اور ختمی تعلیمات کا ذکر صرف ایک کلمہ کے ذریعہ کر دیتی ہے اور وہ وسطیت و تعامل ہے۔

مہلک میں بیٹلا کرنے کا سبب بن سکتی ہے۔ چنانچہ بظاہر مختلف انبیاء کے درمیان ایک اختلاف نظر آتا ہے کسی پیامبر کو جنگ کی راہ اختیار کرنی پڑتی ہے تو کسی کو صلح کی کوئی نبی نزی سے کام لیتا ہے تو کوئی سختی سے کسی پیغمبر کو انتقالی انداز میں کام کرنا پڑتا ہے تو کسی کو اعتدال و سلامتی کی راہ اپنانی پڑتی ہے ایک پیغمبر کا سارا دور ابتلا و آزمائش سے بھرا ہوا ہے تو دوسرے پیغمبر کے حصے میں فتح و نصرت بھی آتی ہے۔ انبیاء کے درمیان اختلاف کا تعلق ان کے اس رویے سے ہے جو وہ اپنے زمانے کے حالات کے پیش نظر اختیار کرتے ہیں ورنہ ہدف کے اعتبار سے ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ہدف تمام انبیاء کا ایک ہی ہے اور راستہ وہ صراط مستقیم ہے۔

قرآن کریم نے قصص انبیاء کے ضمن میں پوری طرح اس بات کی نشان دہی کی ہے کہ پیغمبروں میں سے ہر ایک مبداء و معاد سے متعلق اپنی مشترک تعلیمات کے تحت کسی ایک خاص لکھتے پر زور دیا ہے وہ ایک مخصوص لائج عمل کے اجراء پر مامور ہوتا ہے۔ یہ بات قصص قرآن کے مطالعہ سے بخوبی روشن ہو جاتی ہے۔

مصلحین جب کسی تیزی سے آگے قدم بڑھانے والے یا پسمندہ معاشرہ میں دائیں یا بائیں جانب مائل معاشرہ میں ظہور کرتے ہیں اور اصلاح کا کام شروع کرتے ہیں تو وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ ایک تعین لائج عمل صرف ایک محدود مدت کیلئے قابل اجراء ہوتا ہے اور معاشرہ کسی بھی نوعیت کا ہو اسے راہ معدہ پر لانے کیلئے اس سے زیادہ جدوجہد کرنی پڑتی ہے جنہی کو دوسری جانب سے اسے اخحطاط و اخraf کی راہ پر ڈالنے کیلئے جاتی ہے۔

ان توضیحات کے بعد ہم زیر نظر آیت کے مفہوم کو زیادہ بہتر طریقے سے سمجھ سکتے ہیں۔

پیغمبر اسلام کی رسالت تمام دوسرے نبیاء کی رسالتوں سے ان معنوں میں فرق و امتیاز رکھتی ہے کہ اس کی حیثیت قانون کی ہے کسی وقق لائج عمل کی

دوسرا جاندار ایک حالت پر قائم رہتے ہیں وہ اس بات پر قدرت نہیں رکھتے کہ سوچ سمجھ کر خود آگے بڑھیں یا پیچھے ہیں، سیدھی جانب کارخ کریں یا باعین سمت کا، تیز چلیں یا آہستہ اس کے برکش انسان اپنی عقل و شعور سے کام لے کر آگے بھی قدم بڑھا سکتا ہے پیچھے بھی ہٹ سکتا ہے وہ دائیں یا بائیں کسی بھی سمت مڑ سکتا ہے وہ تیز بھی چل سکتا ہے اور آہستہ بھی وہ ایک بندہ شاکر بھی بن سکتا ہے اور سرکش کافر بھی۔ اس طرح وہ افراط و تفریط کے درمیان کھڑا نظر آتا ہے۔

انسان معاشرہ کبھی اس طرح عادات کا سیر اور جامد و ساکن ہو جاتا ہے کہ کوئی موثر طاقت ہی اس کی زنجیروں کو کاٹ کر اسے حرکت میں لا سکتی ہے، کبھی انسانی معاشرہ پر حرص و آرزو اور نئی را ہوں پر چلنے کی خواہش اس طرح مسلط ہو جاتی ہے کہ وہ فطرت کے اصول و قوانین تک کوچلا بیٹھتا ہے اور کبھی اور غرور خود پرستی اور تکبر میں غرق ہو جاتا ہے اسے خود بینی کی راہ سے ہٹا کر زہد و پر ہیز گارکی راہ پر ڈالنے کیلئے کسی اثر انداز ہونے والے طاقت کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ اپنے حقوق کے ساتھ دوسروں کے حقوق کا بھی خیال رکھ سکے، جب یہی انسانی معاشرہ آرام طی مادر پر آزادی اور ظلم و ستم کی راہ پر چل پڑتا ہے تو اس کے ضمیر کو چھوڑنے اور اس میں حقوق کا شعور و احساس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہوتا۔

یہ بات واضح ہے کہ تیزی کے ساتھ پیش قدمی ہو یا است روی، بائیں جانب میلان ہو یا دائیں جانب ان میں سے ہر ایک کیلئے ایک خاص لائج عمل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر معاشرہ کا انحراف دائیں جانب ہو تو اصلاح کرنے والے طاقت کو اسے بائیں جانب موڑنے کی کوشش کرنی ہو گی دوسری صورت میں اسے اس کے برکش عمل کرنا ہو گا۔

یہی وجہ ہے کہ کسی ایک زمانے اور کسی ایک قوم کی اصلاح کیلئے کوئی تدبیر دو ایک حیثیت رکھتی ہے تو وہی تدبیر دوسرے دور اور دوسری قوم کیلئے ایک مرض

ولم يخل سجنه حلقه من نبی مرسل او کتاب منزل او حجته
الازمة او محجة قائمة، رسول لا تقر بهم قلة عددهم
ولا کثرة المکذبین لهم من سابق سعی له من بعده
او غافرته من قبله على ذلك نسلت القرآن ومضت
لدهور وسلفت الاباء خلقت الابناء الى ان بعث الله محمدًا
رسول الله عليه وآلہ لانجان عدته ومتا ته ماخوذ علی
النبین میشاقہ مشور سماته کریما میلادہ
ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو کبھی کسی پیغمبر یا کسی کتاب آسمانی یا کافی
دلیل یا کسی روشنی طریقے سے خالی نہیں رکھا ہے۔ پیغمبروں کو ان کی قلب
تعداد اور ان کے مخالفین کی کثرت تعداد نے کبھی ادائے فرض سے نہیں
روکا۔ ہر پیغمبر اپنے سے پہلے گزرنے والے پیغمبر سے پوری طرح متعارف
رہا ہے اور خود اس کی آمد کی بشارت سابق پیغمبر کی زبان لوگوں کو ملتی رہی
ہے۔ اسی طرح ایک نسل کے بعد دوسری نسل آتی رہی اور زمانہ
گزرتا چلا گیا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کے مطابق
محمد ﷺ کو سلسلہ نبوت کی تکمیل کیلئے بھیجا۔ اللہ نے تمام انبیاء سے آپ
کے بارے میں پہلے ہی عہد و پیمان لے رکھا تھا آپ کی نشانیاں
مشہور و معروف ہو چکی تھیں۔ اور آپ کی ولادت ایک ولادت عظیم تھی۔
اس بارے میں رسول اکرمؐ کے دو بڑے عمدہ کلے ہم یہاں نقل کرتے ہیں:
نَحْنُ الْأَخْرُونُ السَّابِقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

نہیں، انسانیت کیلئے آپ کا لا یا ہوا اسی قانون کی ترقی پسند یا رجعت پسند یا دائیں
بازویا بائیں بازوں کی جانب مائل معاشرہ کیلئے مخصوص نہیں ہے۔
اسلام ایک جامع اور ہمہ گیر نظام حیات ہے جو ہر موقع محل کیلئے
کار آمد اور زندگی کے تمام جزئی طریقوں پر حاوی ہے انبیاء کسی ایک معاشرہ کیلئے مبوعہ
کئے جاتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس معاشرہ کیلئے ایک مخصوص لائجہ عمل لے
کر آتے تھے۔ اسلام کی آمد کے بعد علماء اور امامت مسلمہ کے دینی رہنماؤں کو کبھی اسی
طرح کام کرنا چاہیے جس طرح انبیاء نے انجام دیا تھا۔ لیکن علماء مصلحین اور انبیاء کے
کام کے درمیان فرق یہ ہے کہ علماء و میں اسلام کے ابدی سرچشمے سے بدایت حاصل
کر کے ایک خاص لائجہ عمل وضع کرتے ہیں اور اس کے نفاذ کی کوشش کرتے ہیں۔
قرآن دوسری آسمانی کتابوں کی وقت کا محافظ و نگہبان قرار دیتا ہے:
**وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَمِنْ
الْكِتَبِ وَمِمَّا يُمِينُنَا عَلَيْهِ**

ترجمہ: پھر اے نبی ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب بھیجی جو حق لے کر آئی ہے
اور اکتاب میں سے کچھ اس کے آگے موجود ہے اس کی تصدیق کرنے والی
اور اس کی محافظ و نگہبان ہے۔ (سورہ مائدہ آیت۔48)
اسلامی نصوص سے یہ بات ثابت ہے کہ تمام انبیاء جو ایک کلی و خاتمی نبوت
اور ایک اسی قانونی کے پیش رو کی حیثیت رکھتے ہیں، اس بات کے پابند رہے ہیں کہ
وہ اپنی اپنی امتوں کو ختم نبوت کے آخری دور میں دین کے اتمام و تکمیل کی خوشخبری دیں
اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں تمام پیغمبروں سے عہد و پیمان لیا ہے۔
نیج المبلغ کے پہلے خطے میں اس ذکر بڑی عمدگی کے ساتھ کیا گیا ہے:

کی نشاندہ باغبان بخ شجر
پس معنی آن شجر از میوه زاد
گر بصورت از شجر بودش نهار
مصطفی زین گفت کارم و انبیاء
خلف من باشد در زیر لوا
بهر این فرموده است آن زد فنون
رمز سخن الآخرون السابقوں
گر بصورت من ز آدم زاده ام
من معنی جد جد افتاده ام
پس زمان زانده در معنی پدر
پس ز میوه زاد در معنی شجر
اول فکر آخر آمد در عمل
خاصه فکری کو بود وصف اول
شیقانی کہتا ہے:

کی خطا است از اول تا آخر
بر او خلق خدا جملہ مسافر
در این ری انبیاء چون سار باند
دلیل و رہنمائی کاروانند
وزیستان سید مائشہ سالار
هم او اول هم او آخر در این کار
احد دریم احمد گشت ظاہر

هم تمام پیغمبروں اور امتوں کے بعد دنیا میں آئے ہیں لیکن آخرت میں ہم
سے آگے ہوں گے اور سب ہماری پیچھے آئیں گے۔

آپ کا ایک دوسرا ارشاد یہ ہے:

آدم دمن دونہ تحت لوائی یوم القیامۃ

قیامت کے دن تمام پیغمبر میرے پرچم تھے ہوں گے۔

قیامت کے دن اس پیش روی اور پس روی اور رسول کرمؐ کے پرچم تھے
تمام انبیاء کے ہونے کا اصل سبب یہ ہے کہ تمام انبیاء رسول اکرمؐ کی بعثت کیلئے مقدسہ
ہیں تو آپ نتیجہ، سابق انبیاء پر جو حی نازل ہوئی وہ ایک وقتی لامحہ عمل کے دائرہ تک
محدود تھی اور رسول اکرمؐ پر نازل ہونے والی وحی ایک کلی وابدی قانون اساسی کیلئے
تھی۔ مسلمان بزرگوں نے رسول اکرمؐ کے ان دو عمدہ کلمات اور معارف اسلامی کے
اس اصول سے ہدایت حاصل کرتے ہوئے کہ جو کچھ اس دنیا میں ظاہر ہوتا ہے س دنیا
کے واقعات کا ملکوتی ظہور ہے بڑی عمدہ اور دل پذیر باتیں کہیں:

وانی وان کنت ابن آدم صورۃ

فلی فیہ معنی شاہد بابوی

و قبل فعالی دو تکلیف ظاہری

ختمت بشری الموضحی کل شرعا

مولوی نے بھی یہی مضمون باندھا ہے:

ظاہرًا آن شاخ اصل میوه است

باطناً بھر شر شد شاخ

گر نیوی میل و امید شر

ترجمہ: یاد کرو اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا تھا کہ ”آج میں نے تمہیں کتاب اور حکمت و دانش سے نوازا ہے۔ کل اگر کوئی دوسرا رسول تمہارے پاس موجود ہے تو تم کو اس پر ایمان لانا ہو گا اور اس کی مدد کرنی ہو گی“ یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ نے پوچھا کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو اور اس پر میری طرف سے عہد کی بھاری ذمہ داری اٹھاتے ہو۔ انہوں نے کہا، ہاں ہم اقرار کرتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا اچھا تو گوارہ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔ (سورہ آل عمران-81) نبیوں کا ایک رشتہ میں بندھا ہونا اور ایک نبوت کا دوسرا سے مربوط ہوتے چلے جانا یہ ظاہر کرتے ہیں کہ نبوت تکمیل کی جانب ایک تدریجی سفر ہے جس کا آخری حصہ اس کی سب سے اونچی چوٹی ہے۔ عارفین اسلام کہتے ہیں۔

الخاتم من ختم المراتب باسرها

یعنی پیغمبر خاتم وہ ہے جس نے تمام مراحل طے کر لئے اور وحی کی رو سے کوئی الیٰ راہ باقی نہیں رہ گئی ہے جس نے طنہ کیا ہوا اور کوئی ایسا نکتہ باقی نہیں رہ گیا ہے جس کی اس نے وضاحت نہ کی ہو۔ اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ کسی علم سے متعلق تمام مسائل حل ہو چکے ہیں تو پھر اس شعبہ میں کسی نئی تحقیق یا کسی نئے اکشاف کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ وحی سے متعلق مسائل کا معاملہ بھی بالکل ایسا ہی ہے۔ خدا کے آخری دستور کے آجائے کے بعد کسی نئے اکشاف اور کسی نئے پیغمبر کی ضرورت باقی نہیں رہتی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جو کچھ انسان پر مکشف ہوا ہے اسے ایک ایسے کامل ترین مکشفہ کی حیثیت حاصل ہے جو کسی انسان کے دائرہ امکان میں ہو سکتا ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ ایک ایسے مکمل مکشفہ کے بعد دوسرا جو بھی مکشفہ ہو گا وہ کوئی نیا اور جدید مکشفہ ہو گا وہ دراصل پہلے سے طے کردہ راہ کی ہی ایک چیز ہو گی اس کے ساتھ کوئی نئی

در این دور اول آمد عین آخر ز احمد تا احمد یک میم فرق است جہانی اندرین یک میم غرق است براو ختم آمد پایان این راہ بدمنزل شدہ ادعوا الی اللہ مقام دلکشاش جمع جمع است جمال جانفرائش شمع جم است شدہ اوپیش و دلما جملہ در پی گرفتہ دست جا دھا دامن وی قرآن کریم نے بعد میں آنے انبیاء (اور بدر جہادی خاتم انبیاء) پر سابق

انبیاء کی جانب سے ایمان لانے ان کی نبوت کو تسلیم کرنے بلکہ ان کی آمد پر خوشخبری دینے کا اور ان کی اس ذمہ داری کا کہ وہ اپنی امت کو بھی ایسا کرنے کی ہدایت کریں اور انہیں بعد میں آنے والے انبیاء کی تعلیمات کو قبول کرنے کیلئے تیار کریں اور اسی طرح بعد میں آنے والے پیغمبروں کی جانب سے پیشرو پیغمبروں کی تائید و تقدیم کا اور اللہ تعالیٰ کا اپنے پیغمبروں سے اس خوشخبری اس تسلیم تائید اور تصدیق پر پختہ عہد لینے کا اس طرح ذکر کیا ہے:

وَإِذَا أَخَذَ اللَّهُ مِيَثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَّا أَتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتْبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتَوْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ إِنَّمَا أَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَى ذَلِكُمْ إِصْرِيٌّ قَالُوا أَقْرَرْنَا قَالَ فَأَشْهَدُهُ أَوْ أَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشَّهِيدِينَ ⑧

ختمنبوت

ہی اس آخری اینٹ کا نصب کرنے والا ہوں۔ ①
ہم نے گزشتہ صفحات میں جو کچھ لکھا ہے وہ عقیدہ ختم نبوت کے پس منظر اور اس کی بنیادوں کی جانب رہنمائی کیلئے کافی ہے۔

یہ بات واضح ہو گی کہ انسانی فطرت میں دین کی طلب وہ بنیاد ہے جس پر عقیدہ ختم نبوت استوار ہوتا ہے تمام انسانوں کی فطرت ایک ہے تکمیل انسانیات کا سفر ایک ایسا با مقصد سفر ہے جو ایک متعین اور سیدھے راستہ پر جاری ہے اس اعتبار سے دین حق، جو فطرت کے تقاضوں کی وضاحت کرتا ہے اور انسان کی راہ براہ راست کی جانب رہنمائی کرتا ہے صرف ایک ہی ہو سکتا ہے۔

ایک طریق زندگی جو انسانی فطرت کے مطابق ہو، جامع اور کلی ہو اور ہر طرح کی تبدیلی و تحریف سے محفوظ ہو اور جو مسائل کی اچھی طرح تشخیص کر سکے اور جسے اچھی طرح منطبق کیا جاسکے اور عمل و نفاذ کے مرحلے میں بیشہ رہنمائی کر سکے اور حالات کے مطابق مختلف طریقوں لائجے عمل اور بے شمار جزئی قوانین کیلئے سرچشمہ ثابت ہو سکے انسانی فطرت کا ایک اہم تقاضا اور انسان کی ایک بنیادی ضرورت ہے آئندہ مضمایں اس پہلو کو بہتر طریقے پر واضح کریں گے۔

اب ہم ان سوالات کا جواب تلاش کرتے ہیں جن کی طرف ابتداء میں اشارہ کیا گیا تھا۔

① مجمع البیان میں اس حدیث کا متن سورہ احزاب کی آیت 40 کے ذیل میں صحیح بخاری اور مسلم کے حوالے سے اس طرح درج کیا گیا ہے: اَنَّمَا مُشَرِّفَةً فِي الْأَنْبِيَاءِ كَمِثْلِ رَجُلٍ نَّبِيٍّ دَارَ أَفَاقًا كَمِلَهَا وَحَسْنَهَا لِمَوْضِعِ لِبْنَةٍ مَكَانٌ مَنْ دَخَلَ فِيهَا فَنَظَرَ إِلَيْهَا قَالَ مَا حَسْنَهَا لِمَوْضِعِ هَذِهِ الْلِبْنَةِ فَإِنَّمَا مَوْضِعَ هَذِهِ الْخِتْمَةِ فِي الْأَنْبِيَاءِ

ختمنبوت

بات نہ ہو گی، آخری بات تو وہی ہے جو اس کا مکمل ترین مکاشفہ میں آ جکی ہے۔
وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَتِهِ
وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ⑪

ترجمہ: تمہارے رب کی بات سچائی اور انصاف کے اعتبار سے کامل ہے۔
کوئی اس کے فرائیں کو تبدیل کرنے والا نہیں ہے اور وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔ (سورہ انعام - 115)

انسانی فطرت کا ہدف و مقصود قرب الہی کے مقام تک پہنچتا ہے اور پیغمبروں کی رہنمائی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اس اعتبار سے نبوت نظام زندگی کا ایک حصہ قرار پاتی ہے لیکن اس کا مقصود اور ہدف سب سے اونچا مرتبہ اور نبوت کا آخری درجہ ہے نہ کہ نبوت کا اولین درجہ۔ سنت الہی کے مطابق نبوت بتدریج درجہ کمال تک پہنچتی ہے جیسے کہ ایک عمارت بتدریج مکمل ہوتی ہے۔ عمارت کی تعمیر کا ہدف اس کے پائیں اور دیواریں نہیں ایک مکمل مکان ہوتا ہے۔ نبوت کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے نبوت کا ہدف اس کی کامل صورت ہے یہی وجہ ہے کہ نبوت کا سلسلہ ایک جگہ پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے اور مکمل ہو جاتا ہے۔ وہ مزید کسی اضافے کو قبول نہیں کرتا کیونکہ تکمیل کے بعد کوئی اضافہ کمال کے منافی ہوتا ہے اور اس کی حیثیت ایک زائد انگلی کی سی ہو جاتی ہے۔ پیغمبر اکرمؐ کی معروف حدیث میں اس جانب اشارہ کیا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا نبوت ایک مکان کی مانند ہے جو تیار ہو چکا ہے لیکن اس کے مکمل ہونے میں صرف ایک اینٹ کی جگہ باقی رہ گئی ہے اس جگہ کو میں ہی پھر نے والا ہوں یا میں

عیسیٰ مسیح کی ماں مریم ہے۔ قرآن نے ان کے بارے میں حیرت انگیز واقعات کا ذکر کیا ہے قرآن موسیٰ کی والدہ کے بارے میں بھی کہتا ہے ہم نے اس کی طرف وحی بھیجی کہ موسیٰ کو دودھ پلانے اور جب اسے موسیٰ کے بارے میں کسی خوف کا احساس ہو تو اسے دریا میں بہا دے ہم اسے محفوظ رکھ کر تیری طرف واپس لوٹا دیں گے۔ ہمیں معلوم ہے کہ عیسیٰ کی ماں پیغمبر تھیں اور نہ موسیٰ کی والدہ۔

حقیقت یہ ہے کہ ملکوتی حقائق کے غیب و شہود کے ساتھ اتصال آواز غیبی کا سنسنا اور بالآخر غیب سے خبر کا پانانبوت نہیں ہے، نبوت پیغام کا لانا ہے ہر وہ شخص جسے غیب کی خبر مل جائے، پیغام کا لانے والے نہیں ہوتا۔

قرآن اشراق اور الہام کا دروازہ ان تمام لوگوں پر کھوتا ہے جو اپنے باطن کو پاک کرتے ہیں:

إِنَّ تَنَّقُوا اللَّهَ يَعْجَلُ لَكُمْ فُرْقَانًا

اکرم خدا ترسی اختیار کرو گے تم اللہ تمہارے لئے کسوٹی بہم پہنچا دے گا۔ (سورہ انفال۔ 29)

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِي سَبِيلِ رَبِّهِمْ سُبْلَتَا

جو لوگ ہماری خاطر مجاہدہ کریں گے انہیں ہم اپنے راستے دکھائیں گے۔ (سورہ عنکبوت۔ 69)

اسی فلسفہ کے نقطہ نظر سے معنوی اور عرفانی زندگی کا ایک نمونہ پیش کرنے کیلئے فتح البلاغہ کے ایک خطبہ کا کچھ حصہ یہاں نقل کرنا کافی ہو گا۔

فتح البلاغہ کے خطبہ 220 میں اسی طرح بیان کیا گیا ہے:

ان الله تعالى جعل الذكر جلا للقرب تسمع به بعد

آسمانے دروازے

پہلا سوال جس کے سبب ختم نبوت کا عقیدہ وجود میں آیا وہ عالم غیب اور انسان کے درمیان رابطے سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ سوال یہ ہے کہ سب سے پہلے دور کے انسان نے اپنی جہالت اور بے علمی کے باوجودی و اہام کے راستے سے عالم غیب کے ساتھ کس طرح رابطہ پیدا کر لیا اور اس پر آسمان کے دروازے کیسے کھل گئے جب کہ ترقی یافتہ بعد کا انسان اس سے محروم رہا اور اس پر آسمان کے دروازے بند ہو گئے۔

کیافی الواقع انسان کی روحانی اور باطنی صلاحیتیں کم ہو گی ہیں اور وہ اس اعتبار سے تنزل میں چلا گیا ہے۔

یہ شبہ اس خیال سے پیدا ہوا ہے کہ عالم غیب کے ساتھ معنوی رابطہ و تعلق انبياء کے ساتھ خصوص ہے اس لئے سلسلہ نبوت کے منقطع ہونے کا لازمی تیجہ عالم غیب اور عالم انسان کے درمیان روحانی اور معنوی رابطے کے انقطاع کی صورت میں ظاہر ہو گا۔

لیکن یہ خیال اپنی کوئی بنیاد نہیں رکھتا قرآن کریم بھی غیب اور ملکوت کے ساتھ اتصال کے درمیان اور مقام نبوت کے درمیان لازم و ملزم کے تعلق کا قائل نہیں ہے جیسا کہ خرق عادت کو وہ پیغمبری کی واحد لیل تسلیم نہیں کرتا۔ قرآن کریم ایسے اشخاص کا بھی ذکر کرتا ہے کہ ان کی معنوی زندگی ایسی طاقت سے بہرہ مند رہی ہے کہ انہوں نے فرشتوں کے ساتھ ہم کلامی کی ہے اور ان سے خارق العادت (غیر معمولی) امور انجام پائے ہیں حالانکہ وہ اشخاص نبی نہیں تھے، اس کی بہتر مثال عمران کی بیٹی

(ا) سفر از خلق بحق (خلق کی طرف سے خالق کی جانب سفر)
 (ب) سفر از حق بخلق (خالق کی طرف سے مخلوق کی جانب سفر)
 مخلوق کی جانب سے خالق کی طرف سفر پیغمبروں کیلئے مخصوص نہیں ہے پیغمبر تو معبوث ہی اسی لئے ہوئے ہیں کہ اس سفر میں انسان کی مدد کریں، جو کچھ پیغمبروں کیلئے مخصوص ہے وہ خالق کی جانب سے مخلوق کی جانب سفر ہے یعنی وہ مخلوق کی دشیگری اور ارشاد وہدایت پر مامور ہیں اس سے مراد پیغمبر کی کثرت کی جانب واپسی ہے تاکہ اسے وحدت کی راہ دکھا سکے۔

صدر المتألهین مفاتیح الغیب کے صفحہ 13 پر لکھتے ہیں!

”وَجَيْلَيْنِي پَغِيْمَبِرِي اُور مَنْصَبِ نَبُوْتَ كَيْلَيْنِ قَلْبَ وَسَاعَتَ پَفْرَشَتَةَ كَانْزَوْلَ مَنْقُطَعَ ہُوَچَکَ ہے اُور اَبَ كَسِيْنِ خَصَّ پَرْكَوَيْنِ فَرَشَتَةَ نَازِلَ نَبِيْنِ ہُوَگَا اُور اَسَے كَسِيْ فَرَمَانَ الَّهِ كَيْ جَارِيَ كَرَنَے پَرْ مَأْمُونَنِيں كَيْا جَاءَ گَا كَيْوَنَكَهَ آتَكَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ كَهَ حَكْمَ كَهَ تَحْتَ جَوْ كَچَ وَجِيَ كَهَ رَاسَتَ اَنْسَانَ تَكَ پَنْجَتَ تَاهَوَهَ پَنْجَ چَکَ ہے لَيْكَنَ الْهَامَ وَشَرَاقَ كَادَ رَوَازَ كَبَھِي بَنَنِيں ہُوَا ہے اُور نَدَ آتَنِدَهَ ہُوَگَا، اس رَاهَ كَامْسَدَ وَهُوَنَامْكَنَ نَبِيْنِ۔“

اس ملے میں پہلی بہت کچھ کہا جا چکا ہے اس کا نقل کرنا موجب طوالت ہو گا۔ ہمارے زمانے کے داشمندوں میں سے علامہ اقبال نے ایک بڑی لطیف کی بات کہی ہے۔ اقبال نے نبی اور عارف کے درمیان (ان کے قول کے مطابق مرد

”صدر المتألهین مفاتیح الغیب“ میں اس حدیث کو نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں: اس حدیث کو ہمارے مسلک سے اور دوسرے مسلکوں سے بھی تعلق رکھنے والے اہل حدیث نے نقل کیا ہے یعنی معتبر شیعہ و سنی محدثین نے روایت کیا ہے اس کیلئے کتاب ”الشواهد الربویہ“ کی آخری فصل سے بھی رجوع کیا جا سکتا ہے۔

الْوَقْوَةُ وَتَبَصِّرُهُ بَعْدَ الْعِشْوَةِ وَتَنْقَادِبُهُ بَعْدَ الْمَانَدَةِ وَمَابَرَحَ اللَّهُ عَزَّ أَلَّا إِهَ فِي الْبَرِّهِ بَعْدَ الْبَرِّهِه وَفِي أَزْمَانَ الْفَتَرَاتِ اعْبَادُنَا جَاهِمُ فِي فَكْرِهِمْ وَكَلَّهُمْ فِي ذَاتِ عَقُولِهِمْ

اللَّهُ تَعَالَیٰ نے اپنی یاد کو دلوں کا صیقل قرار دیا ہے۔ دل بہرے ہو جانے کے بعد بھی اس ذکر کے ذریعہ سننے والے اور انہی ہو جائے کے بعد دیکھنے والے اور سرکشی و عناد کی راہ پر چل پڑے کے بعد بھی مطیع و فرمان بردار ہو جاتے ہیں، ہمیشہ ایسا ہوتا رہا ہے اور آج بھی ایسا ہوتا ہے کہ زمانے کے ہر ایک حصے میں اور ان میں جب کہ لوگوں کے درمیان کوئی پیغمبر موجود نہ ہو اللَّهُ تَعَالَیٰ کے ایسے بندے موجود ہے ہیں اور آج بھی موجود ہیں جن کے دلوں میں وہ کوئی راز کی بات ڈالتا رہا ہے اور ان کی عقولوں کی راہ سے ان کے ساتھ بات کرتا رہا ہے۔

رسول اکرم صَلَّی اللَّهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖہُ وَسَلَّمَ سے روایت ہے:

انَّ اللَّهَ عَبَادَ لِيَسُوا بِأَنْبِيَاءٍ لِيَغْبِطُهُمُ النَّبُوَةُ
 اللَّهُ تَعَالَیٰ کے ایسے بندے بھی موجود ہیں کہ وہ پیغمبر نہیں ہیں لیکن نبوت ان پر رشک کرتی ہے۔

شیعہ ائمہ اطہار علیہم السلام کی باطنی ولایت و امامت کے قائل ہیں جب کہ وہ انہیں نبی نہیں سمجھتے اس سے بات بالکل واضح ہو جاتی ہے۔

عارفین اسلام نے عرفانی اصطلاحات میں معنی سیر و سلوک کے مراتب کو چار مرحلوں میں تقسیم کیا ہے ہم طول کلام سے پچھے کیلئے اس کے صرف دو مرحلوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

نبوت تبلیغی

دوسرے اسوال یہ ہے کہ پیغمبر ان کرام بھیثیت مجموعی دو بڑی ذمہ دار یوں کو پورا کرتے رہے ہیں۔ وہ خدا کی طرف سے انسان کیلئے قانون اور دستور العمل لاتے رہتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ لوگوں کو خدا کی طرف بلانے کے ساتھ انہیں اس دور اور زمانے کے الہی دستور العمل پر کار بند ہونے کی دعوت دیتے رہے ہیں پیغمبروں کی اکثریت اسی دوسرے فریضے کے نجام دینے پر مامور ہی ہے۔ ایسے پیغمبروں کی تعداد بہت کم ہے جن کو قرآن اولوالہ ملزم قرار دیتا ہے اور جن کے ذریعے قانون اور دستور العمل بھیجا گیا ہے۔ اس اعتبار سے نوبتیں دو قسم کی رہی ہیں ایک نبوت تشریعی وردوسری نبوت تبلیغی..... تشریعی پیغمبر جن کی تعداد بہت تھوڑی ہے۔ وہ صاحب شریعت و قانون انبیاء کہلاتے ہیں جب کہ تبلیغی پیغمبروں کا کام صاحب شریعت پیغمبروں کی تعلیمات کو عام کرنا اور ان ہی کے مطابق تعلیم و ارشاد کا کام انجام دینا رہا ہے، اسلام نے ختم نبوت کا اعلان کر کے نہ صرف تشریعی نبوت بلکہ تبلیغی نبوت کے سلسلے کو بھی ختم کر دیا ہے۔ آخر ایسا کیوں کیا گیا؟ امت محمد اور ملت اسلامیہ کو پیغمبروں کے مدایت و ارشاد کے اس سلسلے سے کیوں محروم کیا گیا؟

بالفرض ہم نے یہ بات تسلیم کر لی کہ تین گھنیمہ اتمام اور جامعیت وکلیت کی بناء پر تشرییعی نبوت کا سلسلہ منقطع کر دیا گیا لیکن تبلیغی نبوت کے سلسلہ کو کس حکمت و فلسفے کی بناء پر ختم کیا گیا؟

حقیقت یہ ہے کہ نبوت اور ہدایت و حی کی اصل ذمہ داری تبلیغی وہی پہلی ذمہ داری (تشرییعی) ہے جب کہ تبلیغی تعلیم اور دعوت کی ذمہ داری (تبلیغی) نصف بشری

باطنی) فرق کو اس طرح واضح کیا ہے۔ ایک مرد عارف تجربہ اتحادی (وصول بحق) سے حاصل ہونے والے طمینان و سکون کے بعد حیات دنیوی کی جانب واپسی کو پسند نہیں کرتا۔ اگر وہ ضرورت کی بنا پر واپس بھی آتا ہے تو انسانیت کیلئے اس کی واپسی چند اس سودمند نہیں ہوتی لیکن خلق کی طرف پیغمبر کی واپسی شر بخش اور تخلیق پیغمبر کی حامل ہوتی ہے۔ پیغمبر واپس آتا ہے اور وقت کے دھارے میں اتر جاتا ہے تاکہ تاریخ کے دھارے کو قابو میں لائے اور اس طرح کمال مقاصد سے ایک جان تازہ پیدا کرے، ایک مرد عارف کیلئے تجربہ اتحادی (وصول بحق) سے حاصل ہونے والا سکون ایک انتہائی مرحلہ ہے اور پیغمبر کیلئے اس کی روحانی قوت کا بیدار ہونا ہے جو ساری دنیا کو ہلا کر کرکھ دیتی ہے، یہ قوت ایک ایسے اندازے کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے کہ عالم انسانی میں ایک مکمل انقلاب برپا کر دیتی ہے۔ پیغمبری کو ایک ایسی باطنی خود آگاہی رکھنے والی نوع سے تعمیر کیا جاسکتا ہے کہ اس میں تجربہ اتحادی (وصول بحق) اپنی حدود سے باہر نکلنے کے قریب پہنچ جاتا ہے اور ایسے موقع کی تلاش میں ہوتا ہے کہ اجتماعی زندگی کی طاقتوں کی زسرنو توجہ کرے یا انہیں ایک تازہ شکل دے۔

پس انقطاع نبوت سے مراد ارشاد ہدایت کیلئے خدا کی طرف سے
ماموریت کا منقطع ہونا ہے خدا کی طرف سفر کرنے والوں اور سالکوں کیلئے معنوی فیض
کا منقطع ہونا نہیں۔

اگر ہم نے یہ گمان کیا کہ اسلام نے ختم نبوت کے اعلان کے ساتھ معنوی زندگی کی بھی نفعی کرداری سے تو ہم سخت غلطی کرس گے۔

۱۲۴ دلیل اسلام میں احیاء فکر دینی ترجمہ احمد آرام، ص ۱۲۳-۱۲۴

ختم نبوت

رشد و بلوغ حاصل کرتا جاتا ہے والدین کی مستقل نگرانی و سرپرستی کے دائے سے باہر نکلتا چلا جاتا ہے۔

جاندار مخلوقات کا زندگی کی سیڑھیوں پر چڑھ کر بلند ہونا اور ان کا عقلی، وہی خیالی، حسی اور عضوی وسائل سے لیس ہونا ان کے استحکام و استقلال کو بڑھانا ہے اور اس اعتبار سے ان کی جبکہ ہدایت کم ہو جاتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ کیٹرے سے دوسرے تمام حیوانات کی بہ نسبت جبکہ ہدایت سے زیادہ لیس ہوتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تتمیلی مرامل کے اعتبار سے سب سے نچلے درجہ میں ہیں اور انسان جو تکمیل کی سیڑھی کے سب سے اوپر مقام پر پہنچا ہوا ہے تمام مخلوقات کی بہ نسبت جبکہ ہدایت میں کمزور تر ہے۔

وہی ہدایت کے عالی ترین مراتب و مظاہر میں سے ایک ہے۔ وہ اپنے اندر ایک ایسی رہنمائی رکھتی ہے جو حس خیال عقل علم اور فلسفہ کی دسترس سے باہر ہے ان میں سے کوئی چیز وحی کی جگہ نہیں لے سکتی وحی تشرییع ہی اس خصوصیت کی حامل ہے وحی تبلیغ نہیں وحی تبلیغ کا معاملہ دوسرا ہے۔

انسان اس وقت تک تبلیغ وحی کا محتاج رہتا ہے جب تک اس کی عقل علم اور تکمیل کا درجہ اس مقام تک بلند نہیں ہو جاتا کہ وہ خود اپنے دین کے بارے میں دعوت، تعلیم، تبلیغ تفسیر اور اجتہاد کا فرض انجام دے سکے۔ علم اور عقل کا ظہور دوسرے الفاظ میں انسانیت کا رشد و بلوغ خود وحی تبلیغ کو ختم کر دیتا ہے اور علماء ان انبیاء کے جانشین قرار پاتے ہیں۔

جیسا کہ ہمیں معلوم ہے قرآن نے اپنی نازل ہونے والی پہلی آیت میں پڑھنے لکھنے کی اور قلم علم کی بات کی ہے۔

إِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۖ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ إِقْرَأْ

ختم نبوت

ہے تو نصف الہی۔

وہی اور نبوت یعنی عالم وجود کی بنیادوں سے ایک پوشیدہ اتصال اور رابطہ اور مخلوق کی ہدایت کیلئے اس کی ماموریت دراصل مظاہر ہدایت کا ایک مظہر ہے جو سارے عالم وجود پر حکم فرماتے ہے۔

رَبُّكَا الَّذِي أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَى ۝

ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی ساخت بخشنی پھر اس کو راستہ بنایا۔ (سورہ طہ۔ 50)

الَّذِي خَلَقَ فَسَلَّمَ ۝ وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَى ۝

جس نے پیدا کیا اور تناسب قائم کیا جس نے تقدیر بنائی پھر راہ دکھائی۔ (سورہ اعلیٰ۔ 2-3)

موجودات زندگی کی سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے اس درجہ کمال کی مناسبت سے جس پر وہ پہنچ جاتے ہیں ہدایت خاص سے بہرہ مند ہوتے ہیں یعنی ہدایت کی شکل اور خصوصیت زندگی کے مختلف مرامل کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے تمام دانشور اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ حیوانات اپنی ساخت کے وسائل طبیعی کے اعتبار سے ضعیف تر اور ناتوان تو ہیں لیکن وہ پوشیدہ جبکہ رہنمائی کے اعتبار سے قوی تر ہوتے ہیں انہیں فطرت کی ایک مستقل سرپرستی اور حمایت حاصل رہتی ہے۔ وہ جس قدر طبیعی وسائل اور عقل وہی خیالی اور حسی طاقتیوں سے لیس ہوتے چلے جاتے ہیں وہ وجود کی سیڑھی پر ان کے قدم بلندی کی جانب اٹھتے چلے جاتے ہیں۔ ان کی جبکہ ہدایت میں کمی آنے لگتے ہے۔ ٹھیک اس بچک کی طرف جو کسی کے ابتدائی مرامل میں ماں باپ اور دوسرے اشخاص کی مستقل سرپرستی اور نگرانی سے بہرہ ورہتا ہے اور جس قدر وہ

صرف یہ قرآن سے متعلق خاطر ہی ہے جس نے اس قدر جوش و جذبہ پیدا کر دیا۔ یہ ساری سرگرمیاں آخر توریت انہیں اور اوستا کیلئے کیوں ظاہر نہیں ہوئیں؟ کیا خود یہ بات بشریت کے رشد و بلوغ اور کتاب آسمانی کی تبلیغ و تعلیم و حفاظت اس کی صلاحیت پر ولات نہیں کرتی؟ کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ عقل و دانش نبوت تبلیغ کی جانشین بن گئی ہے۔

انسان اپنے ابتدائی دور میں مکتب کے اس کمن بچے کی طرح تھا جو چند روز بعد ہی اپنی کتاب کو پھاڑ کر پھینک دیتا ہے اس کے برعکس عہد اسلامی کا انسان ایک بزرگ عالم کی طرح ہے کہ وہ جس قدر اپنی کتابوں کا بار بار مطالعہ کرتا ہے اسی قدر ان کے مضامین اسے یاد ہوتے چلے جاتے ہیں اور وہ ان کی گہرائی میں اترتا چلا جاتا ہے۔ انسانی زندگی کو بالعموم عہد تاریخ اور تاریخ سے پہلے کے عہد کے دوادوامیں تقسیم کیا جاتا ہے۔ تاریخ کا عہد اس دور کو کہا جاتا ہے جس میں انسان اپنی یاد و اشتوں کو کتابوں اور کتابوں کی صورت میں محفوظ کرنے کے قابل ہو گیا تھا۔ اس دور کی زندگی کے بارے میں ان یاد و اشتوں کو فیصلہ کن قرار دیا جاتا ہے لیکن ماقبل تاریخ کے عہد کے ایسے کوئی آثار موجود نہیں ہیں جو اس زمانے کی زندگی کے بارے میں فیصلہ کی بنیاد بنا سکیں۔

لیکن ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ عہد تاریخ کے آثار بھی زیادہ تر پر اگنہہ اور منتشر ہیں البتہ اس عہد کا وہ آخری ظہور اسلام کے دور سے پوری طرح متصل ہے جس میں انسان نے اپنی تاریخ اور آثار کو منظم طریقے پر نسل بہ نقل کرنا شروع کر دیا تھا۔ خود اسلام کو اس رشد عقل کا ایک بڑا عامل سمجھا جاتا ہے۔ عہد اسلامی میں مسلمانوں نے خود اپنے آثار کی حفاظت و تگھداشت کا کام شروع کر دیا تھا۔ اس کے ساتھ مسلمانوں نے پچھلی قوموں کے آثار کی بھی کم و بیش حفاظت کی اور انہیں بعد کی

وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلْمَنِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ
يَعْلَمْ ۝

پڑھو (اے نبی) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا ہے ہوئے خون کے ایک لوٹھرے سے انسان کی تخلیق کی، پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔ انسان کو وہ علم دیا ہے وہ نہ جانتا تھا۔ (سورہ علق ۱-۵)

یہ آیت اس بات کا اعلان کرتی ہے کہ قرآن کا عہد پڑھنے لکھنے سکھانے کا اور علم و عقل کا عہد ہے۔ یہ آیت ہمیں اشارہ تابتانی ہے کہ قرآن کے اس دور میں تعلیم تبلیغ اور آسمانی آیات کی حفاظت کی ذمہ داری علماء کی طرف منتقل کر دی گئی ہے اور علماء اس اعتبار سے انبیاء کے جانشین قرار پاتے ہیں۔ اس آیت نے اس عہد میں بشریت کے استقلال اور بلوغ کا اعلان کیا ہے۔ قرآن نے اپنی تمام آیات میں تدبیر عقلی استدلال فطرت کے تجرباتی وعین مشاہدہ تاریخ کے مطالعہ اور گہرے غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔ یہ سب ختم نبوت کی اور وہی تبلیغ کی جگہ علم و عقل کے جانشین ہونے کی نشانیاں ہیں۔

قرآن کیلئے جس قدر کام ہو چکا ہے کیا کسی دوسری آسمانی کتاب کیلئے اس قدر کام انجام دیا گیا ہے؟ نزول قرآن کے ساتھ ہی قرآن کے ہزاروں حفاظ پیدا ہو گئے۔ نزول قرآن کو بھی نصف صدی بھی نہیں گزری تھی کہ علوم قرآنی کی خاطر خووصرف قواعد زبان اور عربی زبان کی لغات کی تیاری کا کام شروع ہو چکا تھا۔ معانی بیان اور بدلائی کا علم ایجاد ہوا، ہزاروں تفسیریں اور ان کے مفسرین، تفسیر قرآن کی درگاہیں وجود میں آگئیں آگئیں قرآن کے لفظ لفظ کے بارے میں تحقیق کا کام ہونے لگا اس کام کا زیادہ حصہ ان لوگوں کے ہاتھ انعام پا تارہ جن کی مادری زبان عربی نہیں ہے۔

”پیغمبر اسلام دنیاۓ قدیم اور دنیاۓ جدید کے درمیان کھڑے ہیں الہام کے سرچشمے سے جب آپ کا رشتہ جوڑا جاتا ہے تو دنیاۓ قدیم سے آپ کا تعلق پیدا ہو جاتا ہے اور جب روح الہام کو برے کار لایا جاتا ہے تو دنیاۓ جدید سے آپ کا ربط قائم ہو جاتا ہے۔ زندگی نے آپ کی ذات میں معرفت کے وہ دوسرے سرچشمے دریافت کر لئے ہیں جو اس (زندگی) کے نئے سفر کیلئے موزوں ہیں۔ اسلام کا ظہور دراصل استدلالی اور استقرائی عقل کا وجود میں آنا ہے۔ ظہور اسلام کے ساتھ رسالت، خود نبوت کے اختتام پذیر ہونے کی ضرورت کے نتیجے میں، حد کمال کو پہنچ جاتی ہے جس سے لازماً یہ داشمندانہ نتیجہ نکلتا ہے کہ زندگی ہمیشہ کسی کے مرحلے میں اور باہر سے رہنمائی کی محتاج نہیں رہ سکتی۔ اسلام میں کاہنی (فالگیری) اور موروٹی سلطنت کی نفی اور قرآن میں عقل اور تجربہ پر دائی توجہ اور اس کتاب میں کافیت اور تاریخ کو معرفت بشری کے سرچشمتوں کی حیثیت دنیا دراصل ختم نبوت کے واحد عقیدے کے مختلف خدوخال ہی۔ عقیدہ ختم نبوت کے یہ معنے نہیں لینے چاہئیں کہ زندگی کی انتہائی سرنوشت یہ ہے کہ عقل کا مل جذبات و احساسات کی جگہ حاصل کر لے۔ یہ بات یہ ممکن ہے اور نہ مطلوب۔^{۲۰}

اسلام نے اعلان ختم نبوت کے ضمن میں اپنی ابتدیت کا اعلان کیا ہے:
حلال محمد حلال الی یوم القيامۃ وحرامہ محمد حرام الی یوم القيامۃ

ترجمہ: محمد کا حلال کیا ہوا قیامت تک حلال ہے اور محمد کا حرام کیا ہوا قیامت

نسلوں کی طرف منتقل کرتے رہے۔ یہ ختم نبوت کا قریبی زمانہ ہی ہے کہ جس میں انسان نے اپنے علمی اور دینی ورثوں کی حفاظت کی صلاحیت کا مظاہرہ کیا۔ امر واقع یہ ہے کہ حقیقی عہد تاریخ ظہور اسلام کے عہد سے بالکل مصلح ہے۔ گزشتہ ادوار میں ایک طرف نفیس علمی، فلسفی اور دینی آثار کا ظہور ہوا اور دوسرے طرف یہ آثار آب و آتش کی نذر بھی ہوتے رہے۔ تاریخ میں اس کی در دنیاک تفصیلات پوری طرح محفوظ ہیں۔

اسکندر یہ کاظمی مرکز مشرقی روم کی شہنشاہیت پر مسیحیت کے اثر و سوچ کے بعد تباہ ہو گیا اور اس مرکز کا تاریخ کتب خانہ متصب عیسائیوں کے ہاتھوں نذر آتش ہو گیا۔^{۲۱}

علم کے ظہور اور ترقی کے ایک ایسے درجے تک انسان کی رسائی کو وہ دین آسمانی کا محافظ داعی اور مبلغ بن سکے، نبوت تیلیغی کی ضرورت باقی رہنے نہ دی اور اس کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ یہی وجہ ہے پیغمبر اکرم^{۲۲} نے اس امت کے علماء کو انبیاء بنی اسرائیل کی مانند کہا ہے۔

علامہ اقبال نے ایک بڑی عمدہ بات کہی ہے:

۲۱ کافی عرصہ پہلے یہ بات شائع کی گئی تھی کہ اس کتب خانے کو مسلمانوں نے مscr کی شیخ کے موقع پر نذر آتش کیا تھا۔ یہ بے بنیاد بات اس قدر پھیلائی گئی کہ بعد کے ادوار میں مسلمانوں نے خود اپنی کتابوں میں اسے نقل کرنا شروع کر دیا تھا۔ قطع نظر اس کے کسی معتبر کتاب میں یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے، حال ہی میں محققین نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ یہ کتب خانہ متصب عیسائیوں کے ہاتھوں تباہ کر دیا گیا ہے، حال ہی کو مسلمانوں سے منسوب کرنے والا بھی ایک عیسائی ہے کہ جو اس واقعہ کے دو سو سال بعد گزرائے۔ ویل دورانیت کی کتاب ”تاریخ تمدن“ کے ترجمہ کی گیارہ جلد کے صفحہ 219 پر دیکھیں اور شیلی نعمانی کے رسالہ کتاب نجانہ اسکندر یہ سے جو اسی موضوع پر لکھا گیا ہے رجوع کریں۔

مظاہر فطرت تغیر پذیر ہیں تو انہیں فطرت کو تغیر نہیں، اسلام قانون ہے نہ کہ مظاہر کائنات میں سے ایک مظہر، اسلام اسی صورت میں مردہ ہو سکتا ہے کہ وہ قوانین فطرت سے ہم آہنگ نہ ہو لیکن جب اسلام کا اپنا دعویٰ ہے کہ وہ فطرت اور انسانی سرنشت سے اور اس کے معاشرے سے تازگی اور قوت حاصل کرتا ہے اور قوانین فطرت سے ہم آہنگ ہے تو آخروہ کس طرح ہو سکتا ہے؟

کبھی اجتماعیت کے پہلو سے اعتراض کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اجتماعی ضوابط اجتماعی تقاضوں کی بنیاد پر وضع کئے جاتے ہیں جب معاشرہ کی ضروریات قوانین اجتماعی کی بنیاد ہیں تو ان کا عوامل تمدن کی توسعہ و تکمیل کے ساتھ ساتھ متغیر ہونا بھی ضروری ہے۔ ہر زمانے کے ضروریات دوسرے زمانے کی ضروریات سے مختلف ہوتی ہیں، میزائل طیاروں بھلی اور ٹیلی ویژن کے اس جدید دور کی ضروریات گھوڑوں، خچروں اور اونٹوں کی پرانے زمانے کی ضروریات سے قطعی مختلف ہوں گی۔ یہ کسی طرح ممکن ہے کہ اس جدید دور کیلئے بھی وہی ضوابط نافذ ہوں جو پرانے زمانے میں رائج تھے۔ دوسری الفاظ میں عوامل تمدن کے اندر ترقی و توسعے لازماً نئے تقاضے پیدا کرے گی۔ اس لئے جری تاریخ کا راستہ رونما اور زمانے کو ایک ہی حال پر رکھنا ممکن نہیں ہے اور زمانے کے تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگ اختیار نہ کرنا بھی ممکن نہیں ہے۔ جامد اور یکساں ضوابط کا پابند رہنا مقتضیات زمانہ کے ساتھ مطابقت اور پکپک پیدا کرنے اور تمدن کے قافلے کے ساتھ ہم آہنگ ہونے کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔

بے شک اہم ترین مسئلہ جس سے اس دور میں مذاہب خصوصاً اسلام دو چار ہے یہی مسئلہ ہے۔ ہماری نئی نسل بھر تغیر و تبدل اور جدت ٹبلی اور زمانے کے نئے نئے تقاضوں کے سوا کچھ نہیں ہو جاتی۔ نئی نسل کا سامنا کرتے ہوئے جو بات سب سے

تک حرام ہے۔ ۱۷

سوالات اور اعتراضات کی ساری بوجھاڑ کا تعلق اسی موضوع سے ہے کہا جاتا ہے کہ کسی چیز کی لئے ہیئتگی ممکن ہے؟

دنیا میں ہر چیز فانی ہے اس دنیا کی اصل بنیاد تغیر ہے، دنیا میں صرف ایک ہی چیز جادو ایسی ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی چیز کو ہیئتگی حاصل نہیں۔

ہیئتگی اور ابدیت کے منکر کبھی اپنی باتوں کو فلسفہ کارنگ دے دیتے ہیں اور دلیل میں تغیر و تبدل کے اس قانون کو بیش کرتے ہیں جو فطرت کا ایک مجموعی قانون ہے۔

اگر ہم مسئلے پر اس لفظ نظر سے غور کریں تو اعتراض کا واضح جواب مل جاتا ہے کہ وہ چیز جو ہمیشہ تغیر و تبدل سے دوچار رہتی ہے وہ مادہ اور دنیا کی مادی ترکیبات ہیں لیکن قوانین اور انتظامات خواہ وہ طبیعی نظمات ہوں یا وہ اجتماعی نظمات جو طبیعی اصولوں سے ہم آہنگ ہوں اس قانون تغیر و تبدل کے تحت نہیں آتے۔ ستارے اور شمشی نظمات ظاہر ہوتے ہیں اور چند دنوں بعد فرسودہ اور فانی ہو جاتے ہیں لیکن قانون کشش اپنی جگہ باقی رہتا ہے۔ نباتات اور حیوانات وجود میں آتے ہیں اور فنا ہو جاتے ہیں لیکن قوانین حیات باقی رہتے ہیں۔

یہی حال انسانوں اور ان کی زندگی کے قانون کا ہے۔ انسان جن میں پیغمبر بھی شامل ہیں دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں لیکن پیغمبر کا لا یا ہوا آسمانی قانون زندہ اور تابند رہتا ہے۔

مصطفیٰ را وعدہ دادا طاف حق
گرمیری تو نمیرد این سبق

جبر تاریخ

یہ کلمہ دو اجزاء سے مرکب ہے، جبر اور تاریخ۔ جبر کا مطلب کسی چیز کا حتمی اور یقین ہونا ہے۔ فلاسفہ کی اصطلاح میں اسے ضرورت اور وجوب کہا جاتا ہے مثلاً جب ہم 5×5 کہتے ہیں تو یہ ضرب کھانے والے دونوں اعداد ضرورت اور جبر 25 کے مساوی ہوں گے یعنی ہم ایسا ہی ہے اس کے خلاف ہونا ممکن نہیں ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ جبر کا الفاظ اصطلاحاً ایک فلسفیانہ مفہوم رکھا ہے۔ اس سے ہٹ کر جبر کا مفہوم حقیقی اور عرفی ہے یعنی یہ لفظ اکراہ اور جریہ اعمال کیلئے استعمال کیا جاتا ہے 5×5 اپنی ذاتی ساخت کی بناء پر 25 کے مساوی ہے یہ کسی جبری قوت اور جریہ عمل کی وجہ نہیں ہے۔ لیکن تاریخ، تاریخ یعنی حادثات کا مجموعہ جو انسان کی سرگزشت کو شکیل دیتا ہے انسانی سرگزشت ایک راستہ طے کرتی ہے۔ کچھ ایسی طائفیں کار فرماہیں جو اسے حرکت میں لاتی ہیں اور اسے قابو میں رکھتی ہیں جیسے ایک دستی پہیہ یا ایک کارخانہ جسے ہاتھ یا بھاپ کی طاقت سے چلا یا جاتا ہے۔ تاریخ کو بھی کچھ عوامل اور طائفیں حرکت میں رکھتی ہیں۔ اسے گردش میں لاتی ہیں اور آگے بڑھاتی ہیں۔ اس اعتبار سے جبر تاریخ کا طلب سرگزشت بشر کا حتمی اور پابند ہونا ہے جب ہم یہ کہتے ہیں کہ تاریخ خی حركت جبری ہی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انسان کی اجتماعی زندگی میں کچھ ایسے طائفی عوامل ہیں جو اپنے قطعی اثرات رکھتے ہیں۔ ان سے بچنا ممکن نہیں ان عوامل کی تاثیر یقینی اور حتمی ہوتی ہے۔

جبر تاریخ کے کلمے نے ہمارے اس دور میں بڑی قدر و قیمت حاصل کر لی ہے۔ یہ کلمہ موجودہ زمانے میں وہی کردار ادا کر رہا ہے جو اس نے ماہی میں

پہلے کا نوں تک پہنچتی ہے وہ یہی ہے اس نسل کے انتہا پسندوں کے نقطہ نظر سے مذہب اور نو طبی دو متصاد و جو دیں نو طبی کی خاصیت حرکت اور ماہی سے منہ موزٹا ہے جب کہ مذہب کی خاصیت جمود سکون، ماہی سے واپسی اور موجودہ وضع کی حفاظت کرنا ہے۔ اسلام کو دوسرے ہر مذہب سے زیادہ اس طرز فکر کے حامل گروہ سے مقابلہ کرنا پڑ رہا ہے اسلام کا ابدیت و تہیگی کا دعویٰ اس گروہ کیلئے بڑا ناقابل برداشت ہے۔ اسلام زندگی کے تمام شعبوں میں عمل دخل رکھتا ہے۔ خدا اور بندے کے درمیان تعلق سے لے کر افراد کے اجتماعی روابط، خاندانی روابط فرد اور اجتماعی کے روابط انسان اور اس دنیا کے باہی روابط سب ہی سے وہ بحث کرتا ہے۔ اگر اسلام دوسرے مذاہب کی طرف چندر سوم، عبادات اور خشک اخلاقی ضوابط تک محدود ہوتا تو پھر اس کیلئے کوئی دشوری نہ تھی لیکن وہ اپنے اس قدر مدنی فوجداری، دیوانی سیاسی اجتماعی اور خاندانی قوانین و ضوابط رکھتے ہوئے کیا کر سکتا ہے؟

ہم نے اوپر جو اعتراض نقل کیا ہے اس میں جبر تاریخ ضروریات میں تغیر مقتضیات زمانہ کی رعایت جیسے نکات کو اٹھایا گیا ہے اس لئے اعتراض کے ان تین اصل نکات پر مختصرًا بحث کرنا ضروری ہے۔ اس کے بعد اسلام کے نقطہ نظر سے ہم اس اعتراض کو رفع کرنے کی کوشش کریں گے ان محدود صفات میں بحث کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرنا ممکن نہیں ہے ایک ایسا مسئلہ جو فلسفہ، فقہ تاریخ اور اجتماعیات سب ہی سے متعلق ہے ایک ضخیم کتاب کی وسعت چاہتا ہے جسے برسوں کے مطالعہ کا حاصل قرار دیا جاسکے۔ تا ہم توقع ہے کہ یہ مختصر مقالہ اس اشکال کے رفع کرنے میں مدد دے گا۔

ایک دوسرا تاریخی عامل مذہب ہے۔ پرستش انسان کی سرشنست میں شامل ہے، یہ کسی نہ کسی صورت میں موجود رہی ہے۔ یہ عامل تاریخ کے تمام ادوار میں موثر رہا ہے اور اس نے مذہب پر سے توجہ کو ٹھنڈھیں دیا۔

غرض یہ کہ جبرا تاریخ کو کسی محدود اور وقتی چیز کے مساوی قرار دے کر ہر قانون اور قاعدہ کی ناپائیداری پر دلیل لانا ایک بڑی غلطی ہے۔

جبرا تاریخ اس جگہ ناپائیداری کو نتیجہ کی صورت میں سامنے لاتی ہے جہاں زیر نظر عامل جیسے اقتصادی پیداوار کا عامل، ناپائیدار ہوا اور کوئی دوسرا عامل اس کی جگہ لے۔ اس لئے انسان اور اس کی ضروریات تاریخ کو گردش میں لانے والے عوامل اور ان میں سے ہر عامل کی معاشرہ پر اثر انداز ہونے والی تاثیری قوت کر سراغ لگانا چاہیے تاکہ یہ معلوم ہو کہ اس کا اثر کہاں تک پہنچتا ہے اور ان میں سے کون سا عامل مضبوط و پاندار ہے اور کون سا کمزور و ناپائیدار۔

حقیقت یہ ہے کہ انسانی زندگی کی جملہ حالتوں کی ناپائیداری کو جبرا تاریخ کے مساوی قرار دینے کا مفروضہ ہی انسان کے ”یکی جہتی“ ہونے کے مفروضے کو آگے لانے کا سبب ہے۔ اس مفروضے کے مطابق ”یک جہت“ انسان زیادہ قدر و قیمت نہیں رکھتا اور تاریخ کا تغیر ایک ”یک شاخہ“ تغیر ہے۔ اس مفروضے کے حامیوں کے نقطہ نظر سے ہر دور میں تاریخ کا اصل اور بنیادی عامل معیشت ہے، دولت کی پیداوار اور تقسیم کا طریقہ، افراد کے اقتصادی روابط جیسے کارخانہ اور مزدور کسان اور زمیندار کے روابط (جو کمزور اور تغیر پذیر روابط ہیں) زندگی کی دوسرے گوشوں مثلاً دین علم، فلسفہ قانون، اخلاقی اور ہنر کا تعین کرتے ہیں۔ ابتداء دنیا میں اس مفروضے کا بڑا چرچا ہوا لیکن اب یہ اپنی قدر و قیمت کھو چکا ہے۔ آج دنیا اور تاریخ کے بہت سے مادہ پرست مفسرین اس مفروضے کو مسترد کر چکے ہیں۔

قضا و قدر کے پرده می ادا کیا تھا حادث زمانہ کے آگے سپرڈاں دینا اور اپنی غلطیوں کے غدر تراشنا اس کا مدعہ ہے۔

یہ ایک شیرخونخوار ہے کہ اس کے مقابلہ تسلیم و رضا کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ ماضی میں اس کا نام قضا و قدر تھا اور موجودہ دور میں اسے جبرا تاریخ کہا جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قضا و قدر اور جبرا تاریخ دونوں کلمہ صحیح فلسفیانہ مفہوم کے حامل ہیں ان کے حقیقی مفہوم کو نہ سمجھنا ہی غلط تغیر کا سبب بنا ہے۔ ہم نے اپنی کتاب ”انسان و سرنوشت“ میں قضا و قدر کے بارے بحث کی ہے لیکن جبرا تاریخ:

یہ کہ انسانی سرگزشت دنیا کے تمام حادث کی طرح نہ تبدیل ہونے والا قانون رکھتی ہے اور تاریخی عوامل دوسرے تمام عوامل کی طرح قطعی اور لازمی تاثیرات رکھتے ہیں۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ قرآن کریم نے جو دستۃ اللہ کہہ کر اس کی تائید کی ہے لیکن ان عوامل کی تاثیر کی نوعیت اصل مسئلہ ہے۔ کیا تاریخ کے جبرا عوامل کا اثر اس صورت میں ظاہر ہوتا ہے کہ ہر چیز وقتی محدود اور زوال پذیر ہو کر رہ جاتی ہے یا اس کی کوئی دوسری صورت بھی ہے؟

ظاہر ہے اس مسئلے کا تعلق عوامل کی نوعیت سے ہے۔ اگر تاریخ کو گردش میں لانے والے عوامل مضبوط اور پائیدار ہوں گے تو ان کی جری تاثیر کا نتیجہ اس شکل میں ظاہر ہو گا کہ وہ گردش و تسلسل کو برقرار رکھیں گے۔ اگر اس کے برعکس یہ عوامل ناپائیدار ہوئے تو ان کے نتائج و آثار بھی ناپائیدار ہوں گے تاریخ عوامل میں سے ایک عامل کا تعلق خاندان اور جنس سے ہے۔ یہ ایک مضبوط اور پائیدار عامل ہے اور یہ ہمیشہ خاندان کی تشکیل رفیق زندگی انتخاب اور پھوٹوں کی تولید میں موثر رہا ہے۔ تاریخ کے طویل دور میں خاندانی زندگی کے خلاف تھیں جبرا تاریخ کا تقاضہ یہ تھا کہ خاندانی زندگی باقی رہے۔

ختمنبوت

و تربیت آتے ہیں، اور۔

۳۔ معاشرت، مبادلہ اشیاء تعاون، عدالت، آزادی اور مساوات کا تعلق اجتماعی ضروریات سے ہے۔

ثانوی ضروریات

وہ ضروریات ہیں جو بنیادی ضروریات سے پیدا ہوتی ہیں مختلف آلات اور وسائل زندگی کی ضروریات اسی نوع کی بنیادی ضروریات سے پیدا ہوتی ہیں جو زمانہ کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہیں۔

یہ بنیادی ضروریات ہی ہیں جو انسان کی زندگی کی توسعہ اور ترقی کی جانب قدم بڑھانے کے لئے آمادہ کرتی ہیں۔ ثانوی ضروریات زندگی کی توسعہ و ترقی سے پیدا ہوتی ہیں اور یہ زیادہ سے زیادہ توسعہ و ترقی کیلئے حرکت ثابت ہوتی ہیں۔ ضروریات میں تغیری اور ان کے نئے ہونے اور پرانے ہونے کا تعلق ثانوی ضروریات سے ہے۔ بنیادی ضروریات نہ پرانی ہوتی ہیں اور نہ ختم ہوتی ہیں وہ ہمیشہ زندہ اور نئی رہتی ہیں۔

ثانوی ضروریات کا ایک حصہ بھی ایسا ہی ہے۔ قانون کی ضروریات ثانوی ضروریات کے اسی حصے سے تعلق رکھتی ہے۔ قانون کی ضرورت اجتماعی زندگی کی بنیادی ضرورت کا ایک لازمی نتیجہ ہے اور اسے بھی دوام اور ہیئتگی حاصل ہے۔ انسان کسی دور میں بھی قانون سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔

ضروریات کی دوسری قسم

یہ بات صحیح ہے کہ تمدن کے عوامل میں توسعہ نئی نئی ضروریات کو سامنے لاتی

ختمنبوت

ہر چند کہ ابھی علمی اعتبار سے قطعی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انسان ”یہ ناشناشہ وجود“، کثیر الجھت ہے اور انسانی تاریخ کی توجیہ کثیر الجھت، کے مفروضے سے ہی کی جاسکتی ہے، البتہ یہ تسلیم شدہ قدر ہے کہ انسان ”یک جہت“ نہیں ہے اس کے یک جہت ہونے کا نظریہ اور انسانی تاریخ کے سفر کا یک خط ہونے کا مفروضہ سب سے زیادہ بے بنیاد مفروضہ ہے۔

انسانی ضروریات

کیا یہ درست ہے کہ انسان کی تمام ضروریات بدلتی رہتی ہیں اور ضروریات کے تغیر کے ساتھ ان سے متعلق قوانین و ضوابط میں بھی تبدیلی آتی رہتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نہ تمام انسانی ضروریات حالت تغیر میں ہوتی ہیں اور نہ ضروریات کے تغیر کا لازمی نتیجہ یہ نکل سکتا ہے کہ زندگی کے بنیادی اصول اور ضوابط ہی میں تبدیلی آجائے۔

ضروریات کی پہلی قسم

ضروریات دو طرح کی ہیں: بنیادی ضروریات اور ثانوی ضروریات..... بنیادی ضروریات انسان کی جسمانی و روحانی ساخت اور اجتماعی زندگی کے مزاج کی گہرائیوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ جب تک انسان اس دنیا میں موجود ہے اور اجتماعی زندگی بسر کر رہا ہے اس کی یہ ضروریات باقی رہیں گی۔ یہ ضروریات تین طرح کی ہیں جسمانی روحانی اور اجتماعی:

- ۱۔ جسمانی ضروریات کا تعلق خوراک، پوشش، مسکن اور رفیق حیات سے ہے۔
- ۲۔ روحانی ضروریات کے ذیل میں علم، زیبائش، نیک، پرستش، اخترام

جو چیز تغیر پذیر ہے وہ ان کا نفاذ اور ان کی عملی صورت ہے نہ کہ ان کی حقیقت و مابہیت۔ اگر کوئی آئین و دستور حقوق اور فطرت کی بنیاد پر بنا یا گیا ہو تو وہ ایک زندہ انقلابی قوت سے بہرہ مند ہو گا وہ زندگی کی اس شکل و صورت سے بحث کرنے کی بجائے جس کا تعلق بظاہر تمدن سے ہے، زندگی کیلئے اصلی اور حقیقی خطوط کھینچ گا، وہ نہ صرف زندگی کے تغیرات سے ہم آنگ ہو گا بلکہ ان کی رہنمائی کرے گا۔

نئی نئی ضروریات اور قوانین کے درمیان تضاد اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کہ قانون حرکت و عمل کی راہ متعین کرنے کی بجائے زندگی کی ظاہری شکل و صورت پر توجہ دے۔ مثلاً مخصوص آلات اور وسائل کو جن کا تعلق سارے کاسارا تہذیب و تمدن کے مراحل سے ہوتا ہے انہیں ہمیشہ ایک ہی صورت میں رکھنا چاہیے۔

اگر قانون یہ چاہے کہ ہمیشہ تحریری کام ہاتھ ہی سے کیا جائے گھوڑے اور چیز ہی سے سواری کا کام لیا جائے اور روشنی کیلئے مٹی کے تیل کی قنیلیں ہی استعمال کی جائے اور صرف وہی کپڑا اپہنا جائے جو ہاتھ سے بناتا ہے۔ اس طرح کا قانون علم و تمدن کی توسیع اور اس سے پیدا ہونے والی احتیاجات سے جنگ کرتا ہے اور یہ لازمی بات ہے کہ جبرا تاریخ اس قانون کو بدل کر کر کھو دے گا۔

قانون جس قدر جزئی اور مادی ہو گا یعنی مخصوص مواد و رنگ اور مخصوص صورتوں کا حامل ہو گا اس کے بقاء و دوام کے امکانات کم ہی ہوں گے۔ اس کے برعکس قانون جس قدر کلی اور معنوی ہو گا اور اشیاء کی ظاہری صورتوں پر توجہ دینے کی بجائے اشیاء کے درمیان یا اشخاص کے مابین روابط پر توجہ دے گا اس کے بقاء و دوام کے امکانات زیادہ ہوں گے۔

ہے اور وقتاً فوقتاً فرعی قوانین ضوابط و معاهدات کا ایک سلسلہ وجود میں آتار ہتا ہے، مثلاً نقل و حمل کے مشین وسائل کی بناء پر یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ شہروں کے درمیان آمد روافت کیلئے اور مختلف ممالک کے درمیان سفر اور نقل و حمل کیلئے کچھ قوانین میں ضوابط وضع کئے جائیں جب کہ ماضی میں اس طرح کے قوانین اور معاهدوں کی ضرورت نہیں تھی البتہ تمدن کے عوامل میں توسعہ حقوقی تعریفی اور شہری قوانین جن کا تعلق لین دین، وکالتوں ناجائز قبضوں، ضمانتوں، وارثت ازدواج اور ایسے ہی دوسرے امور سے ہوتا ہے۔ اگر وہ فی الواقع عدالت اور فطری حقوق پر مبنی ہوں تو پھر انہیں تبدیل کرنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ جب یہ ضرورت ہے تو خدا کے ساتھ انسان کے رابطے یا نظرت کے ساتھ انسان کے رابطے سے متعلق قوانین کی تبدیل کا سوال کیسے پیدا ہوگا۔

قانون ضروریات کی تکمیل کا شریفانہ اور عادلانہ طریقہ مقرر کرتا ہے وسائل و آلات ضرورت کی تبدیلی ان کے حصول و استفادہ اور ان کے عادلانہ تبادلے کے طریقے کو تبدیل کرنے کا سبب نہیں بنتے۔ مگر یہ فرض کر لیا جائے کہ زندگی کے اس باب، وسائل اور آلات میں تبدیلی آتی ہے اور وہ ترقی و مکال کی صورت اختیار کرتے ہیں تو حق انصاف اور اخلاقی کا مفہوم بھی بدل جاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں ہم کو یہ فرض کرنا پڑے گا کہ حق، عدالت اور اخلاق کے مفہوم اضافی ہیں۔ ایک چیز اگر کسی زمانے میں حق، عدالت اور اخلاق کے ذیل میں آتی ہے تو دوسرے زمانے میں وہ حق عدالت اور اخلاقی کے خلاف سمجھی جاتی ہے۔

ہمارے دور میں اس مفہوم سے کا بڑا چرچا ہے لیکن اس سلسلہ بیان میں اس مسئلے پر بحث کی زیادہ گنجائش ہے۔ یہاں ہم صرف یہ کہیں گے کہ اس مفہوم سے کا سبب حق، عدالت اور اخلاقی کے حقیقی مفہوم سے ناواقفیت ہے۔ حق عدالت اور اخلاقی کے ذیل میں

اپنے ہاتھ میں لے اور زمانے کی اصلاح کرے۔ اگر انسان خود کو صدقی صدر زمانے کے مطابق بناتا رہے گا تو پھر وہ زمانے کو کس چیز سے ہم آہنگ کرے گا؟

ا فلاں فکر کھنے والے افراد کیلئے ”زمانے کے تقاضے“ یعنی ”آج کی لپند اور سلیقہ“ اور یہ جملہ ”آج کی دنیا پسند نہیں کرتی“، ہر نظری عملی، صوری، مادی، قیاسی، تجربی اور استقرائی منطق کی رو سے ان کی شخصیت کو متاثر کرنے اور ان کے غیر مشروط طور پر سرتسلیم ختم کر دینے کیلئے بہت کافی ہے۔ ان لوگوں کے طرز فکری کی رو سے خصوصاً دنیا کے مغرب میں کسی چیز کا فیش اور سلیقہ قرار پانیا یہ کہنے کیلئے کافی ہے کہ زمانے کے تقاضے بدل گئے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ جبرا تاریخ ہے اس سے پچھا ممکن نہیں بلندی و ترقی کیلئے اسے اختیار کرنا لازم ہے۔ حالانکہ یہ انسان ہی ہے جو اپنے زمانے ماحول اور اجتماعی عوامل کو تشكیل دیتا ہے۔ یہ چیزیں عالم قدس سے نازل نہیں ہوتیں۔ انسان خواہ وہ مغرب کا رہنے والا ہی کیوں نہ ہو، غلطی کا سزاوار ہے۔

انسان عقلی اور علم سے آرستہ ہونے کے ساتھ شہوت اور خواہش نفس بھی رکھتا ہے۔ مصلحت اور زندگی کی طرف وہ اچھے قدم اٹھایا ہے تو کبھی کبھی اس کے قدم غلط سمت پر بھی اٹھ جاتے ہیں۔ اس اعتبار سے زمانہ جہاں راہ راست پر پیش قدی کر سکتا ہے وہاں وہ راہ اخراج ف بھی اختیار کر سکتا ہے۔ اس لئے جہاں زمانے کی ایسی پیش قدیمیوں کا ساتھ دینا چاہیے وہاں اس کے اخراجات کی مراجحت بھی کرنی چاہیے۔

لفظ ”آزادی“ کی طرح ”زمانے کے تقاضے“ ان کلمات میں سے ایک ہے جن کا مشرق کی سر زمین پر بڑا براہمی ہوا ہے اور آج یہ لکھ کا استعمار کا ایک ایسا مکمل ہتھیار ہے جس سے وہ مشرق کی اصل تہذیب پر ضرب لگانے اور اس پر مغربی روح مسلط کرنے کا کام لیتا ہے۔ کتنے فریب ہیں جو اس عنوان سے دیئے جاتے ہیں اور کتنی بد بختیاں ہیں جو اس خوبصورت لکھ کے ساتھ ہم پر مسلط کی جاتی ہیں۔

زمانے کے تقاضے

زمانے تقاضے یعنی ماحول معاشرہ اور زندگی کے تقاضے انسان عقل ایجاد و اختیار کی قوت سے لیں ہے اور بہتر زندگی کی خواہش رکھتا ہے۔ اسی لئے وہ اپنی اقتصادی، اجتماعی، اور معنوی ضروریات رفع کرنے کیلئے بہتر سے بہتر افکار و نظریات اور عوامل و وسائل کا کار راز حیات میں لانے کی کوشش کرتا ہے۔ بہتر اور کامل ترو سائل عوامل کی زندگی میں آمد خود بخود پرانے اور ناقص تر عوامل کو اپنی جگہ خالی کر دینے پر مجبور کرتی ہے اس طرح انسان جدید عوامل اور ان کی خصوصی ضروریات سے وابستگی پیدا کر لیتا ہے۔ انسان کی مادی اور معنوی احتیاجات کے ایک سلسلے سے وابستگی اور ان احتیاجات کو رفع کرنے والے عوامل و وسائل کا داکی تغیر اور ان وسائل کا ہمیشہ بہتر ہوتے چل جانا اور ایک مرحلے پر خود ان کا نئی نئی احتیاجات کے ایک سلسلے کو وجود میں لانا ہر دو اور زمانے میں ماحول اجتماعی اور زندگی کے تقاضوں میں تغیر کا سبب بنتا رہتا ہے اور انسان کو لازمی طور پر جدید تقاضوں سے ہم آہنگی پیدا کرنے پر آمادہ کرتا رہتا ہے۔ اس طرح کے تقاضوں سے جنگ نہیں کرنی چاہیے اور نہ جنگ کی جاسکتی ہے۔

لیکن افسوس کہ کسی عہد کے دوران پیدا ہونے والے مظاہر بہتر افکار و نظریات اور کامل ترو سائل و عوامل کے اعتبار سے زندگی کیلئے زیادہ سعادت بخش نہیں ہوتے۔ یہ انسان ہی جو اپنے زمانے، ماحول اور معاشرہ کو تشكیل دیتا ہے اور انسان غلطی سے محفوظ نہیں ہے۔ اس اعتبار سے انسان کی صرف یہی ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ وقت کے دہارے پر بہتا چلا جائے اور اپنے دور کے افکار و نظریات، عادات و اطوار اور پسند و ناپسند کو اپنا تا چلا جائے۔ اس کی ایک ذمہ داری یہ بھی ہے وقت کی باغ دوڑ

حرکت و لچک

بعض مسائل: جبرتاریخ..... ضروریات زندگی میں تغیر..... زمانے کے تقاضے..... یہ تینوں باتیں ہمارے لئے صرف یہ جانے کیلئے مفید ہیں کہ ہم ان باتوں کو بہانہ بنائے کر اور آئکھیں بند کر کے کسی قانون کو ہدف نہیں بناسکتے اور اس کی ابدیت کے مکنر نہیں ہو سکتے۔

واضح ہے کہ صرف ان مسائل پر بحث قانون کی ابدیت کے مسئلے کی شکل حل کرنے کیلئے کافی نہیں ہے۔ اس لئے کہ یقیناً اگر کوئی ابدی قانون زندگی کی تمام متغیر صورتوں کا احاطہ کرنا چاہے اور تمام مشکلات کے حل کرنے کی راہ دکھائے اور ہر مشکل کو بہتر طریقے پر رفع کر دے تو اسے قوت و حرکت کے ساتھ ایک لچک سے بھی بہرہ مند ہونا چاہیے وہ خشک جامد اور بے لچک نہ ہو۔ اب ہم یہ دیکھیں گے کہ اسلام اپنی اس اصل کی حفاظت کرتے ہوئے ”حلال محمد حلال الی القيامة وحرام محمد حرام الی یوم القيامة زندگی کے مختلف مسائل کے حل کی راہ کسی طرح دکھاتا ہے۔

یقیناً اسلام کے قانون سازی کے نظام میں کوئی راز اور رمز چھپا ہوا ہے جو اس بڑی مشکل پر قابو پالیتا ہے۔

اسلام کی منطقی روح کے تمام بھیدوں اور رازوں کا سرچشمہ اس انسان کی فطرت و طبیعت اجتماعیت اور پورے عالم کے ساتھ کامل وابستگی ہے۔

اسلام نے اپنے قوانین و ضوابط کے وضع کرنے میں فطرت کے احترام اور فطری قوانین کے ساتھ وابستگی کا باقاعدہ طور پر اعلان کیا ہے۔ اسلام کی یہی وہ

کہا جاتا ہے کہ یہ زمانہ علم کا ہے، بلاشبہ یہ بات درست ہے لیکن کیا اس سرچشمہ علم کے علاوہ دوسرے تمام سرچشمے انسان کیلئے خشک ہو چکے ہیں اور آج جو کچھ پیش کیا جاتا ہے وہ صحیح و خالص علم کی حیثیت رکھتا ہے؟ آخر کس دور میں ہمارے اس عہد کی مانند علم و دانش کو اس قدر قوت و قدرت اور وسعت حاصل رہی ہے اور کس زمانے میں اس دور کی طرح علم و دانش اپنی آزادی سے محدود ہو کر شہرت کے عفریت کی غلام اور خود غرضی، جاہ طلبی، زر پرستی و استحصال کے اژدھوں کا شکار رہے ہیں؟

جو لوگ اس بات کے مدعاً ہیں کہ زمانے کے تغیر پذیر تقاضے کسی قانون کو ہمیشہ کیلئے باقی نہیں رہنے دیتے انہیں چاہیے متذکرہ بالا دو موضوعات کو ایک دوسرے سے الگ کریں تاکہ انہیں معلوم ہو کہ اسلام میں کوئی ایسی چیز موجود نہیں ہے جو بہتر زندگی کی جانب پیش قدمی کی مخالف ہو۔

ہمارے اس دور کی مشکل یہ ہے کہ آج کے انسان کو ان دونوں باتوں کو الگ کر کے غور کرنے کی بہت کم توفیق ہوتی ہے، وہ قدیم کے ساتھ رشتہ جوڑ کو جمود انتیار کر لیتا ہے اور جو کچھ نیا ہواں سے لڑنے لگتا ہے یا پھر اس تدریجیات پر اتر آتا ہے کہ ہری ظاہر ہونے والی چیز کو ”زمانے کے تقاضوں“ کے نام پر ضروری سمجھتے لگتا ہے۔

۲۔ جماعت اور خود قرآن کی تعبیر کے مطابق وسطیت

کسی مکتب قانون کا یک طرفہ ہونا خود اپنے اندر اپنی تنفس کی دلیل رکھتا ہے انسان کی زندگی پر غلبہ رکھنے والے اور اثر انداز ہونے والے عوامل بہت زیادہ ہیں ان میں سے کسی ایک سے بھی صرف نظر کرنا خود عدم تعامل پیدا کرتا ہے۔ قوانین کے ابدی ہونے کا سب سے اہم عصر ان کا تمام مادی، روحانی، انفرادی اور اجتماعی پہلوؤں پر محیط ہونا ہے۔ تعلیمات اسلامی کی جماعت اور ہمہ جہتی کی صفت ہی اسلام سے شناسا ہونے والوں کے درمیان اس کی مقبولیت کا سبب ہے۔ اس نکتہ پر تفصیلی بحث ہماری اس گفتگو کے دائرے سے باہر ہے۔

سلسلہ اسلام نے کبھی زندگی کی ظاہری شکل و صورت سے

بجٹ نہیں کی

تمام اسلامی تعلیمات نے روح اور معانی پر اور اس طریقے توجہ دی ہے جو انسان کو ان مقاصد و معانی تک پہنچاتا ہے۔ اسلام نے مقاصد و معانی اور ان تک پہنچنے کے طریقے کی طرف رہنمائی اپنے ذمے لینے کے بعد انسان کو اس کے علاوہ دوسرے امور میں آزاد چھوڑ دیا ہے۔ اس طرح اس نے تہذیب و تمدن کے توسعی عمل کے ساتھ تصادم سے پر ہیز کیا ہے۔

اسلام میں کوئی مادی وسیلہ اور کوئی ظاہری شکل نہیں ملے گی۔ جسے تقدس حاصل ہو اور مسلمان کی یہ ذمہ داری ہو کہ وہ اس شکل اور ظاہری کی حفاظت کرے۔ اس

جہت ہے جس نے قوانین اسلام کے ابدی ہونے کا امکان پیدا کر دیا ہے۔ فطرت کے ساتھ اسلام کی وابستگی اور رابطہ کو مندرجہ ذیل نکات سے سمجھا جاسکتا ہے۔

۱۔ حرمیم دین میں عقل کو جگہ دینا

دنیا کے کسی دین نے اسلام کی طرح عقل کے ساتھ اس قدر قریبی رشتہ نہیں رکھا ہے اور اس کے "حق" کو تسلیم نہیں کیا ہے۔ کس دین کا نام ملیا جاسکتا ہے کہ جس نے عقل کو اپنے احکام کے سرچشمہ میں سے ایک سرچشمہ قرار دیا ہو۔ فقہاء اسلام نے احکام کے چار سرچشمے اور ذریعے قرار دیئے ہیں۔ کتاب، سنت اجماع، عقل فقہاء اسلام عقل اور شرع کے درمیان ناقابل تکلف رشتہ کے قائل ہیں اور اسے ایک لازمی اصول قرار دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔

کل ماحکم بہ العقل حکم بہ الشرع و کل ماحکم بہ الشرع حکم بہ العقل

جو کچھ عقل سلیم حکم کرتی ہے شرع بھی اسی کے مطابق حکم کرتی ہے اور جس چیز کا شرع حکم دیتی ہے عقل بھی اس کا حکم کرتی ہے۔

فقہ اسلامی میں خود عقل کسی قانون کو مکشف کرنے والی ہو سکتی ہے اور وہ کسی قانون میں قید و حدود وضع کر سکتی ہے یا اس قانون میں عمومیت پیدا کر سکتی ہے اور تمام سرچشمہ اور ذریعے سے استنباط کرنے میں بڑی اچھی مدد گارثابت ہو سکتی ہے۔

عقل کی دخل اندازی کا حق اس طرح پیدا ہوا ہے کہ اسلامی قوانین زندگی کی حقیقت سے سروکار رکھتے ہیں۔ اسلام اپنی تعلیمات میں ایسی مجہول پراسراریت اور مزیت کا قائل نہیں ہے، جسے حمل نہ کیا جاسکتا ہو۔

کو وجود میں لا تے ہیں۔

ہم صرف دو مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں۔

اسلام میں ایک اجتماعی اصول یہ ہے:

وَأَعِدُّوا لِلَّهِمَّ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ

یعنی آخری امکانی حد تک دشمن کے مقابل قوت فراہم کرو اور طاقتور بن کر رہو۔ (سورہ انفال۔ 60)

یعنی کتاب قرآن ہمیں اس اصول کی تعلیم دیتا ہے۔ دوسری طرح سنت سے ہمیں ہدایات کا ایک سلسلہ ملتا ہے کہ فقہ میں یہ ہدایات ”سبق ورمایہ“ کے عنوان سے معروف ہیں۔ ہدایت کی گئی ہے مسلمان اور ان کے فرزند گھوڑے سواری اور تیر اندازی میں کامل مہارت حاصل کریں۔ گھوڑے سواری اور تیر اندازی اس دور کے فون حرب کا ایک اہم حصہ تھے اور دشمن کے مقابل قوت کی فراہمی اور طاقتور بننے کا بہترین ذریعہ تھے ”سبق ورمایہ“ کے قانون کی اصل تو قرآن کا یہ حکم ہے

وَأَعِدُّوا لِلَّهِمَّ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ

ہے یعنی اسلام کے نقطہ نظر سے تیر، تلوار اور گھوڑا اصلیت نہیں رکھتے، یہ اسلامی مقاصد کا جز نہیں ہیں۔ جو بات اصلیت رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو ہر دور اور زمانے میں دشمن کے مقابل اپنے فوجی اور دفاعی وسائل کو آخری حد امکان تک مضبوط اور طاقتور بنانا چاہیے۔

درحقیقت تیر اندازی اور گھوڑا دوڑانے میں مہارت ایک لباس ہے۔ جو دشمن کے مقابل طاقت کے جسم کو پنایا گیا ہے۔ دوسرے الفاظ میں تیر اندازی مہارت اس زمانے میں طاقتور بننے کی ایک عملی صورت تھی دشمن کے مقابل طاقتور بننے کا لازم ایک مستقل قانون کی حیثیت رکھتا ہے جو ایک دائمی اور مستقل ضرورت سے

اعتبار سے علم و تمدن کے تو سیمی مظاہر کے ساتھ تصادم سے پر ہیز اسلام کی ایک ایسی جہت ہے کہ اس نے زمانے کے تقاضوں پر دین کو منطبق کرنے کا کام آسان کر دیا ہے اور اپنی ابتدیت کی راہ میں حائل ہونے والی ایک بڑی رکاوٹ کو دور کر دیا ہے۔

۳۔ اس دین کی خاتمیت اور ابتدیت

اس دین کی خاتمیت اور ابتدیت کا ایک دوسرا مریض ہے کہ وہ قوانین فطرت کے ساتھ ہم آہنگی سے قوت حاصل کرتا ہے اس نے انسان کی مستقل اور دائمی ضروریات کیلئے مستقل اور غیر متبدل قوانین بنائے ہیں اور تغیری پذیر حالات اور صورتوں کیلئے اس نے قابل تغیر و ضع قانون کی پیش بینی کی ہے۔

سطور بالا میں ہم کہہ چکے ہیں کہ بعض انسانی ضروریات خواہ کا تعلق انفرادی شعبوں سے ہو یا اجتماعی شعبوں سے اپنی ایک مستقل صورت رکھتی ہیں اور وہ تمام انسانوں میں یکساں ہوتی ہیں۔ انسان اپنی جلیبیوں اور عادتوں کیلئے جو نظام و ضع کرتا ہے وہ اخلاق کھلاتا ہے اور اجتماعی زندگی کے لئے جو نظام تشكیل دیتا ہے اسے عدالت کا نام دیا جاتا ہے اور وہ اپنے خالق سے جو رابطہ قائم کرتا ہے اور اپنے ایمان کی تجدید و تکمیل کرتا ہے اسے عبادت کہتے ہیں۔ ان تینوں کا تعلق ان مستقل قسم کی ضروریات سے ہے۔

انسان کی بعض دوسری ضروریات تغیر پذیر ہوتی ہیں، جو قانون کے لحاظ سے ایسی قانون سازی کو لازم کرتی ہیں جس میں تبدیلی ہو سکتی ہے۔ اسلام نے ایسی تغیر پذیر احتیاجات کیلئے وضع قانون کی چکدار صورت اختیار کی ہے۔ اس طرح نے قابل تغیر حالات کیلئے قانون سازی کو مستقل اور غیر متبدل اصولوں کے ساتھ مربوط کر دیا ہے اور وہ اصول ہر تغیر پذیر نئی صورت حال میں خاص اور مناسب فرعی قانون

اساس کی حیثیت رکھتا ہے اور موجودہ دور کے حالات میں تحصیل و تکمیل دانش کے بغیر اس اصول پر پوری طرح عمل نہیں کیا جاسکتا، اس فرض کی ادائیگی مختلف زمانوں اور مختلف حالات میں یکساں شکل میں نہیں رہی ہے۔ اس سلسلے میں بہت مثالیں دی جاسکتی ہیں۔

5۔ اسلامی تعلیمات کی فطرت اور طبیعت کیسا تھا ہم آہنگی

ایک دوسری پہلو جو فطرت اور طبیعت کے ساتھ اسلامی تعلیمات کی ہم آہنگی کی علامت ہے اور جس کی وجہ سے اسلامی قوانین کی ابدیت کا امکان پیدا ہوتا ہے وہ حقیقی مصالح اور مفاسد کے ساتھ احکام اسلامی کا علت و معلول کا رابط اور اس رو سے احکام کی درجہ بندی ہے۔

اسلام نے یہ واضح کیا ہے کہ احکام حقیقی مصالح و مقاصد کے ایک سلسلہ کے تابع ہیں اور یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ یہ مصالح و مقاصد ایک درجہ میں نہیں رکھتے جاتے۔

اسی وجہ سے فقہ اسلامی میں ایک مخصوص باب باب ”تزاحم“ یا ”اہم و مہم“ رکھا گیا ہے تاکہ فقہا اور اسلامی کارکنوں کیلئے مختلف مصالح و مفاسد کے یکجا ہونے اور ان سے واسطہ پڑنے کی صورت میں آسانی حاصل ہو۔ اسلام نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ اس طرح کے موقع پر علماً امت مصلحتوں کی اہمیت کے درجوں کا خود اسلام کی رہنمائی میں پوری توجہ کے ساتھ لیکن کریں اور زیادہ اہم مصالح کو کم اہمیت والے مصالح پر ترجیح دیں اور تعلل کی حالت سے باہر نکل آئیں۔

قوت حاصل کرنا ہے لیکن تیراندازی اور اس بدو ایک وقت ضرورت کا مظہر ہیں اور زمانے کے تقاضوں اور تہذیبی و فنی عوامل کی توسعے کے ساتھ ان میں تبدیلی آتی رہتی ہے اور دوسری چیزیں جیسے آج کے جدید اسلوٹ کے استعمال میں مہارت کا حصول ان کی جگہ لے لیتی ہے۔

دوسری مثال پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ہے:
”علم و دانش کا حصول ہر مسلمان پر واجب ہے۔“
حکماء اسلام نے یہ ثابت کیا ہے کہ علم و دانش کا حصول اسلامی نقطہ نظر سے دو صورتوں میں واجب ہے:

ایک اس صورت میں جب کہ ایمان کا حصول علم و دانش سے وابستہ ہو۔
دوسرے اس وقت جب کسی ذمہ داری کا پورا کرنا علم و دانش کے حصول پر منحصر ہو۔
دوسری صورت کے بارے میں کہا گیا ہے کہ طلب دانش کا واجب ہونا تیاری کیلئے ہے کہ انسان کسی ذمہ داری کے ادا کرنے کی قابلیت پیدا کرے۔

اسی لئے علوم کے حصول کا واجب ہونا یا واجب نہ ہونا زمانے کے تقاضوں کے مطابق مختلف ہو جاتا ہے۔ پچھلے بعض ادوار میں اسلامی فرائض کی ادائیگی حتیٰ کہ اجتماعی فرائض جیسے تجارت، صنعت و سیاست کیلئے دانش کا حصول زیادہ ضروری نہیں تھا اس کیلئے عام تجربات کافی تھے، ہمارے زمانے کی طرح بعض دوسرے زمانوں میں ان فرائض کی ادائیگی اس قدر دشوار اور پیچیدہ رہی ہے کہ اس کیلئے برسوں تعلیم اور خصوص تربیت لازمی قرار پائی تاکہ اسلامی اجتماعی فرائض (واجبات کفائی) انجام پاسکیں۔ یہی وجہ ہے کہ سیاسی اقتصادی اور فنی علوم کی تحصیل جو ایک دور میں واجب نہیں تھی، دوسرے دور میں واجب ہو جاتی ہے۔ ایسا کیوں؟ اسلامی معاشرہ کے استقلال عزت اور حیثیت کے تحفظ کے لازمی اصول پر عمل کرنا ایک مستقل اور دائیٰ

۶۔ اسلامی قوانین کو لچکدار بنانے والے قواعد کا وجود

ایک دوسری چیز جس نے اسلامی ضوابط کو لچک حرکت اور تطبیق کی خاصیت عطا کی ہے اور ان کی ہمیشگی کو برقرار رکھا ہے۔ بعض کنشروں کرنے والے قواعد کے سلسلے کی موجودگی ہے جسے اسلامی قوانین کے متن میں شامل کیا ہے۔ فقهاء نے ان قواعد کا بڑا اچھا نام رکھا ہے اور انہیں ”حاکمہ“ کہتے ہیں یعنی دو قواعد جو تمام اسلامی احکام و ضوابط پر بالا دستی رکھتے ہیں اور ان سب پر حکومت کرتے ہیں۔ یہ قواعد اعلیٰ مناصب رکھنے والے انسپکٹروں کی طرح تمام احکام و ضوابط کی نگرانی کرتے ہیں اور انہیں کنشروں کرتے ہیں۔ قاعدة ”حرج“ اور قاعدة ”لاضر“ ان ہی نگرانی قواعد (حاکمہ) سے تعلق رکھتے ہیں۔ درحقیقت اسلام نے ان نگران قواعد کو یوں کا حق دیا ہے ان قواعد کی داستان بڑی دلچسپ اور مفصل ہے۔

اسلام کا اسلامی حکومت کو بعض مخصوص اختیارات دینا کچھ دوسرے اختیارات ہیں جو اسلام نے حکومت اسلامی کو اور دوسرے الفاظ میں اجتماعی اسلامی کو دیئے ہیں۔ یہ اختیارات ابتدائی درجہ میں خود پیغمبر ﷺ کی حکومت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے بعد امام کی حکومت سے ان کا تعلق ہے پھر ہر شرعی حکومت کو یہ اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ

پیغمبر خود مونین سے زیادہ ان کے نفوس پر سلطانِ حق رکھتا ہے۔

(سورہ الحزادب۔ ۶)

رسول اکرم ﷺ سے روایت ہے:

اذا جتمعت حرمتان طرحت الصغرى الكبيرى

بجها دو امور واجب الاحترام جمع هوجائیں توبڑے امر کی خاطر چھوٹے امر صرف نظر کرنا چاہیے۔

ابن کثیر ”الہنایہ“ میں اس حدیث کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اگر کوئی ایسا معاملہ ہو جس میں جماعت کا فائدہ اور فردا نقصان ہو رہا ہو تو جماعت کا مفاد فردا نقصان پر مقدم ہے۔“

جو کچھ ابن کثیر نے کہا ہے وہ زیادہ اہم مصلحت کو کم اہمیت والے مصلحت پر مقدم رکھنے کے ایک موقع سے متعلق ہے، حدیث کا فائدہ اسی موقع تک محدود نہیں ہے۔ مردہ جسم کے اعضاء کی تشریح (ANTAONY) کے علم کو ہمارے دور میں علم کی ترقی کیلئے ضروری سمجھا گیا ہے۔ اس کا تعلق باب ”تزام“ سے ہے۔ جیسا کہ ہمیں معلوم ہے اسلام نے مسلمان کے بدن کے احترام اور مراسم تجدیب میں عجلت کو لازم قرار دیا ہے جب کہ ہمارے زمانے میں طب کی تعلیم و تحقیق کے ایک حصے کا انحصار تشریع اعضاء پر ہے۔ اس طرح دو مصلحتیں ایک دوسرے کے مقابل آگئی ہیں۔ ظاہر ہے کہ طبی احتیاط کے ساتھ کہ غیر مسلم کی لاشوں کے کافی نہ ہونے کی صورت میں مسلمان کی لاش پر انحصار کیا جائے اور پہچانی جانے والی لاش کو چھوڑ کر نہ پہچانی جانے والی لاش استعمال کی جائے۔ اسی طرح بعض دوسری باتوں کا بھی لاحظ رکھنا چاہیے۔ اس طرح ”اہم و مہم“ کے قاعدہ کے تحت مسلمان لاش کے اعضاء کی تشریح کی ممانعت ختم ہو جاتی ہے۔ اس قاعدہ تحت بھی بہت سی مثالیں ہیں۔

ذمہ داری کی منتقلی

ہماری گزشته باتوں سے یہ بات واضح ہوئی ہے کہ انسان کا عقلی و علمی بلوغ اور اس کی توانائی کے نئے دور کا آغاز جس میں اس پر الہی قوانین و معارف کے تمام حقائق روشن ہوئے اور دینی و رثوں کی حفاظت، تحریفات اور بدعتوں کے خلاف جنگ دین کی اشاعت تبلیغ اور دعوت کا کام انجام پایا۔ ختم نبوت کا اصل بنیادی پس منظر ہے انسان کے دور اول میں مجبوراً ”وہی“ نے جو ذمہ داری عمدہ طریقے پر پوری کی تھی اسے رشد و بلوغ عقل و علم کے دور میں علمی و عقلی قوت انجام دیتی ہے اور علماء انبیاء کے وارث قرار پاتے ہیں۔

علمائے اسلام کی ذمہ داری

باد وجود یکہ اسلام راجح مذاہب کی روایات کے برعکس علمائے امت کیلئے کسی ایسے اختیار کا قائل نہیں ہے جو بطباقی امتیاز پر منصب ہو، دین کی بڑی اہم ترین ذمہ داری ان کے شانوں پر عائد کی ہے۔ اسلام کی طرح کسی دین میں علماء نے ایسا موثر اور حقیقی نقش مرسم نہیں کیا ہے اور یہ اس دین کی خاتمیت سے حاصل ہونے والے خصوصیت ہے۔ اولین منصب جو خاتمیت کے دور میں پیغمبروں کی طرف سے علماء امت کی جانب منتقل ہوا ہے وہ دعوت تبلیغ ارشاد اور تحریفات و بدعتات کے خلاف جنگ کا منصب ہے۔

انسانی گروہ تمام زمانوں میں دعوت و ارشاد کے محتاج رہے ہیں۔ قرآن

نے صراحت کے ساتھ اس ذمہ داری کو خود امت کے ایک گروہ پر ڈالا ہے:

وَلَتُكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ

یہ اختیارات ایک وسیع دائرة رکھتے ہیں۔ اسلامی حکومت جدید حالات اور جدید ضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسلام کے اساسی اصول و مبانی پر توجہ کر کے ضوابط کا ایک سلسلہ وضع کر سکتی ہے کہ ماضی میں موضوعاً موجود نہیں رہے ہیں۔ ۱ حکومت اسلامی کی قوت کیلئے ان اختیارات کا وجود لازمی شرط ہے تاکہ وہ آسمانی قوانین کا بہتر طریقہ پر اجزاء اور انہیں بہتر انداز میں زمانے کے تقاضوں سے ہم آہنگ کر سکے اور ہر دور کے مخصوص لائچر عمل کو بہتر طور پر مرتب و منظم کر سکے۔ یہ اختیارات کچھ حدود شرائط رکھتے ہیں کہ یہاں ان کے بارے میں کچھ کہنے کی گنجائش نہیں ہے۔

۱ رجوع کیجئے ”تبیہ الامم“، مرحوم آیت اللہ نائی، صفحات 97-102 اور مقالہ ”ولایت و زعامت“، علامہ

طباطبائی کے قلم سے، کتاب ”مرجعیت و روحاںیت“، چاپ دوم میں صفحات 82 تا 84

دور میں علماء کے اہم فرائض ہیں۔

امت اسلامیہ کے علماء اپنی ذمہ داری اور اہم منصب کے پیش نظر اپنے زمانے کے سب سے زیادہ عالم افراد ہونے چاہیں کیونکہ وہ انسانوں کے اخلاقی اخراجات اور روحانی اخحطاط کے مقتضیات سے وقت کے حقیقی مقتضیات کو جدا کر کے ان کی ٹھیک ٹھیک تشخیص اس وقت تک نہیں کر سکتے جب تک کہ وہ زمانے کی روح سے زمانے کی ساخت میں کار فرماعوامل اور ان عوامل کی سمت سفر سے اچھی طرح واقف نہ ہوں۔

وَيَنْهَا عَنْ

تم میں سے ایک گروہ ہونا چاہیے جو خیر کی طرف دعوت دے نیکی کا حکم کرے اور برائی سے روکے۔ (سورہ آل عمران-104)

وہ اسباب ہر وقت موجود رہے ہیں جو تحریفات و بدعت پر منجھ ہوتے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ یہ علماء امت ہی کی ذمہ داری ہے کہ تحریفوں اور بدعتوں کے خلاف جنگ کریں۔ رسول اکرم نے فرمایا ہے:

اَذَا اَظَهَرْتُ الْبَدْعَى فَعَلِ الْعَالَمِ يَظْهَرُ عِلْمٌ وَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ فَعَلَيْهِ لِعْنَةُ اللَّهِ

جب بدعتیں ظاہر ہوں یہ عالم کی ذمہ داری ہے کہ اپنے علم کو ظاہر کرے اور جو ایسا نہیں کرے گا اس پر خدا کی لعنت۔

جو چیز تحریفات و بدعتات کے خلاف جنگ کیلئے ممکن اور اس کے کام کو آسان بناتی ہے وہ اصلی معیار و مقیاس یعنی قرآن کا محفوظ رہنا ہے۔ رسول اکرم نے خاص طور پر تاکید کی ہے جو کچھ آپ کی زبان سے نقل ہوا ہے اس کے صحت و سقم کو معلوم کرنے کیلئے قرآن کی کسوٹی سے فائدہ اٹھایا جائے۔

کتابوں کے اصل متن کو حادث کے دستبردار سے محفوظ رکھنا، اصول سے فروع کا استنباط جزئیات پر کلیات کا انطباق ہر دور کے جدید مسائل کی دریافت ان پر غور و بحث، یک طرفہ رجحانات کا سدیات، صورتوں، ظواہر اور عادتوں پر جمود کے خلاف جنگ، فرعی ضوابط اور نتیجہ سے اصل اور مستقل احکام کو الگ کرنا۔ اہم و مہم کی تشخیص اور اہم کوتر ترجیح دینا و قائمین کے وضع کرنے میں حکومت کے اختیارات کے حدود کا تعین زمانے کی ضروریات سے ہم آہنگ لائے عمل کی تیاری ختم نبوت کے اس

تہذیب اسلامی کے درخشاں دور میں جب کہ ایک وسیع اور بدوی مسلم معاشرہ ترقی و توسعہ کی جانب تیزی سے قدم بڑھا رہا تھا اور اس نے ایشیا کے علاوہ یورپ اور افریقہ کے بعض حصوں پر غلبہ حاصل کر لیا تھا اور گونا گون نسلوں اور قوموں پر جن میں ہر ایک اپنا ایک خاص ماضی اور تہذیب رکھتی تھی، اسے حکومت کرنے کا موقع ملا۔ اس دوران ہزاروں جدید مسائل پیدا ہوئے۔ مسلمان اس ذمہ داری سے بڑی کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہوئے اور دنیا کو حیرت میں ڈال دیا۔ علماء اسلام نے ثابت کر دیا کہ اسلامی سرچشمے اپنی بہتر تیزی اپنے بہتر استنباط سے ترقی و تکمیل کے مراحل سے گزرنے والے کسی بھی معاشرہ کے ساتھ چل سکتے ہیں اور اس کی رہنمائی کر سکتے ہیں۔ انہوں نے ثابت کر دیا ہے کہ ”اسلامی حقوق“ کا قانون یعنی (EIYTL PROCEDURE) زندہ ہے اور زمانے کی ترقی سے پیدا ہونے والے تقاضوں کے ساتھ ہم آنکھی کی قابلیت رکھتا ہے اور ہر دور کی ضروریات کا جواب دے سکتا ہے۔

مستشرقین اور ماہرین قانون جنہوں نے اس دور کی فہم اسلامی کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے اس حقیقت کے مترف ہیں اور حقوق اسلامی یعنی اسلام کے (EIYTL PROCEDURE) کو مستقل ”مکتب قانون“ کی حیثیت سے تسلیم کیا ہے اور اسے ایک زندہ مکتب قانون قرار دیا ہے۔

ساتویں صدی ہجری تک اجتہاد کا حق محفوظ تھا اور اس کا دروازہ کھلا ہوا تھا البتہ اس ساتویں صدی میں خاص تاریخی اسباب کی بنا پر شوری اور اجماع کو بنیاد بنا کر علماء سے یقین سلب کر لیا گیا اور علماء ہمیشہ کیلئے دوسری اور تیسرا صدی ہجری کے علماء کے نظریات کا اتباع کرنے پر مجبور ہو گئے اور یہیں سے چھ معروف مذاہب تک قسمی مذاہب کی تحدید و جو دوں آئی۔

اجتہاد کے دروازے کا بند ہو جانا عالم اسلام کا ایک بڑا المناک حادثہ

اجتہاد

علماء امت کی اہم ذمہ داری اور فرائض میں سے ایک اجتہاد بھی ہے۔ اجتہاد کا مطلب صحیح طریقے سے وہ عالمانہ کوشش ہے جو کتاب، سنت اجماع اور عقل کے سرچشمے سے استفادہ کر کے اسلام کے اصول و ضوابط معلوم کرنے کیلئے کی جاتی ہے۔

اجتہاد کا لفظ پہلی بار احادیث نبوی میں استعمال ہوا پھر مسلمانوں میں اس کا رواج ہو گیا۔ قرآن میں یہ لفظ نہیں آیا۔ روح معنی کے لحاظ سے جو فقط اس کا مترادف ہے اور قرآن میں بھی آیا ہے وہ تفہیم ہے قرآن نے صراحت کے ساتھ تفہیم، دین کا گہراؤ حاصل کرنے کی تاکید کی ہے۔

اجتہاد یا تفہیم سے خاتمیت کے اس دور میں بہت نازک بنیادی ذمہ داری وابستہ ہے اور اسلام کی ابدیت کیلئے اسے ایک اہم شرط کی حیثیت حاصل ہے۔ اجتہاد کو اسلام کی قوت محرکہ کہا گیا جو بالکل درست ہے، بزرگ مسلمان فلسفی ابن سینا نے بڑی روشن فکری کے ساتھ اس مسئلہ پر بحث کی ہے وہ کہتے ہیں:

اسلامی کلیات مستقل، غیر متغیر اور محدود ہیں لیکن حادث و مسائل غیر محدود اور متغیر ہیں اور ہر دور مخصوص تقاضوں اور مخصوص مسائل کا حامل ہوتا ہے۔ اسی لئے ہر دور اور عہد میں ایسے افراد کی ضرورت ہے جو ماہر اسلامی کلیات کے عالم زمانے کو درپیش مسائل سے آگاہ اور جو کلیات اسلامی کی روشنی میں جدید مسائل میں اجتہاد و استنباط احکام کی صلاحیت کے حامل اور اس ذمہ داری کو پورا کر سکیں۔

۱۱ آخر الہیات کتاب ”شفابعلی سینا“

اسلام پر مسلط رہا ہے۔ خصوصاً اسلامی فقہ میں جمود ماضی کی طرف دیکھتے اور زمانے کی روح کو سمجھنے اور اس کا سامنا کرنے سے گزیز ہماری اس ناکامی اور شکست کا ایک بڑا سبب سمجھا جاتا ہے۔ آج عالم اسلام کو ہمیشہ سے زیادہ ایک ایسی قانون سازی کی تحریک کی ضرورت ہے جو ایک جدید و سعیج اور ہمہ گیر نظر سے اسلامی تعلیمات کی گہرائی سے فیض حاصل کرے اور مسلمانوں کے دست و پا کو مغربی افکار و نظریات کے استعماری بندھنوں سے آزاد کرائے۔

قرآن بے پایاں استعداد و وسعت کے اعتبار سے

فطرت کی مانند ہے

فلسفہ کے موضوعات میں سے ایک جیت اگلیز موضع کا تعلق اسلامی سرچشمتوں خصوصاً قرآن کریم کے مضامین میں تحقیق، دریافت و استباط کی کبھی ختم نہ ہونے والی استعداد ہے۔ صرف فقہ اور حقوق کے مسائل ہی نہیں تمام شعبوں کے بارے میں یہی کہ جاسکتا ہے۔ ہر انسانی کتاب خواہ وہ ایک بڑا شاہکار ہی کیوں نہ ہو تحقیق و مطالعہ کیلئے اپنے اندر محدود استعداد اور ختم ہو جانے والی وسعت رکھتی ہے اور اس کتاب کے تمام نکات کو واضح کرنے کیلئے چند ماہرین کافی ہو سکتے ہیں لیکن قرآن نے جن پر گزشتہ چودہ صدیوں کے دوران ہمیشہ سینکڑوں ماہرین تحقیق کام کرتے ہے یہ ثابت کر دیا ہے کہ تحقیق و اجتہاد کے نقطہ نظر سے وہ بے پناہ استعداد اور وسعت اپنے اندر رکھتا ہے قرآن اس اعتبار سے فطرت کے مانند ہے کہ جس قدر فکر و نظر و سعیج ترا عین تر ہوتی چلی جاتی ہے قرآن کے مضامین میں تحقیقات و مطالعہ کی پہنائی اور زیادہ وسیع ہوتی چلی جاتی ہے اور نئے سے نئے راز سامنے آتے

سمجھا جاتا ہے۔ شاید اجتہاد میں افراط کے سلسلے کے خلاف عمل کے طور پر ایسا ہو اہو، بہر کیف فقہ اسلامی میں جمود اور ٹھہر اداسی وقت سے شروع ہوا۔

اجتہاد کے دروازے کے بند ہونے کے ناپسندیدہ اثرات اہل تشیع پر بھی مرتب ہوئے۔ ساتویں صدی ہجری کے بعد شیعہ فقہ میں عمیق فکر و نظر پیدا ہو گئی تھی اور بعض شعبوں میں وسیع تبدیلیاں رونما ہوئی تھیں۔ اس کے باوجود اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس فقہی سسٹم میں بھی چند صدی پہلے کی طرح مسائل کی تشریع کا رجحان اور وقت کے مسائل کا سامنا کرنے سے گریز اور جدید تر عین تطریقوں کے دریافت کی جانب سے بے رغبتی واضح صورت میں نظر آتی ہے۔

نہایت افسوس کی بات یہ ہے کہ حالیہ صدیوں کے دوران تو جوانوں اور اصطلاحاً حارش فکر مسلمانوں کے طبقے میں مغرب کی میلان، مشرقی و اسلامی روایات کی نفی کا رجحان اور مغربی "ازموں" کی انہی تقیید کا مرض پیدا ہو گیا ہے۔ بدقتی سے یہ مرض بڑھتا جا رہا ہے لیکن خوش نسبی کا پہلو یہ ہے کہ ان انہیں اور خوابیدہ رجحانات کی تاریکی میں بیداری اور آگاہی کی ایک کرن بھی پھوٹ رہی ہے۔

اس خواب غفلت میں باتلا کرنے والی گراہی کی جڑ وہ غلط تصور ہے جو یہ گروہ اصطلاحاً اسلامی ضوابط کے تحکمانہ، ادعائی (DOGMATIE) پہلو کے بارے میں رکھتا ہے۔ گزشتہ صدیوں کے دوران اجتہاد میں جمود نے ان غلط تصورات کو تقویت فراہم کی ہے۔ قوم کے رہنماؤں اور ذمہ دار افراد کا فرض یہ ہے کہ جس قدر جلد ہو سکے علمی و مطلقی انداز میں اس طرح کے رجحانات کا مقابلہ کرنے کیلئے اٹھ کھڑے ہوں۔

اس صورت حال کے اسباب و عوامل کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں جس بات پر ہمیں پر دہ ڈالنا چاہیے وہ یہ ہے کہ فکری جمود اور ٹھہر اور گزشتہ صدیوں کے دوران عالم

ہوں گے اور اس کی تازگیوں پر کبھی پڑ مردگی طاری نہیں ہوگی۔ ۱۱۱
 امام صادق علیہ السلام سے سوال کیا گیا:
 یہ کیا راز ہے کہ قرآن کو لوگوں کے درمیان جس قدر پھیلا یا جاتا ہے اور اسے
 پڑھا جاتا ہے اور اس کے بارے میں بحث و فکر کی جاتی ہے اسی قدر اس کی طراوت
 تازگی میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے؟
 امام نے جواب دیا:
 ”ایسا اس لئے ہے کہ قرآن کو ایک خاص عہد و زمان کیلئے اور کسی خاص قوم
 کیلئے نازل نہیں کیا گیا ہے، قرآن تمام زمانوں کیلئے اور تمام انسانوں کیلئے
 ہے۔ اس اعتبار سے ہر وہ زمانے میں جدید ہے اور تمام لوگوں کیلئے ہر وقت
 تازہ ہے۔“ ۱۲۲

رسول اکرم جب اپنی احادیث کو ٹھیک ٹھیک یاد کرنے اور دوسروں تک
 پہنچانے کی تاکید فرماتے تھے تو اس میں یہ خاص نکتہ پوشیدہ تھا کہ شاید جس شخص نے
 آپ سے براہ راست آپ کی احادیث کو سنا ہو تفہم سے بہرہ مند ہو اور وہ کسی صاحب
 دانش و بنیش تک انہیں منتقل کرنے کیلئے محض ایک رابطہ کا کام دے یا پھر جو شخص آپ
 سے احادیث سنے وہ تفہم سے بہرہ مند ہو لیکن اس کے ذریعہ جس شخص تک آپ کی کوئی

۱۱۱ ظاہرہ انيق و باطنہ عميق لہ تھوم و علی تھومہ لاتحصی عجائسه و لاتبلي
 غرائبہ (أصول کافی، ج 2 ص 599)

۱۲۲ مابال القرآن لا يزبى بالنشر والدراسته الاغضاضة؛ قال (ع) لانه لم لزمان
 دون زمان ولا الناس دون ناس ولذالك ففي كل زمان جديده وعند كل ناس
 غض (عيوان اخبار الرضا - چاپ سگنی ص 239)

چلے جاتے ہیں۔ مبداء و معاذوق فتحاً غلائق تاریخی فصص اور طبیعت سے متعلق جن
 مسائل کا ذکر قرآن میں آیا ہے اگر ان کا دقيق مطالعہ کرنے کے بعد چودہ صدیوں کے
 دوران ابھرنے والے اور پرانے ہو جانے والے نظریات کے ساتھ موازنہ کیا جائے
 تو تحقیقت پوری طرح روشن ہو جائے گی۔

فکر و نظر خواہ لتنی ہی ترقی کر جائے اور وسیع تر عین تر ہو جائے وہ خود کو قرآن
 کے ساتھ ہم آہنگ پائے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ آسمانی کتاب کو جو ایک باقی رہنے والے
 مஜزہ ہے ایسا ہی ہونا چاہیے۔

قرآن کے نزدیک سب سے بڑا شمن جمود اور ایک خاص زمانے اور متعین
 مرحلے کے دانش پر انحصار کرنا ہے جیسا کہ علوم فطرت کی راہ میں سب سے بڑی
 رکاوٹ یہ تھی کہ ہمارے علماء یہ سمجھتے تھے کہ فطرت کا علم وہی ہے جو ماضی میں ارسطو
 اور افلاطون وغیرہ جیسے افراد نے ترتیب دیا ہے۔

قرآن کے مفہوم ہر زمانہ کے لوگوں کیلئے تر و تازہ ہیں
 قرآن کریم حتیٰ کہ خود رسول اکرم کے جامع کلمات اپنے اندر تحقیق و کاوش
 کی بے پناہ وسعت رکھتے ہیں۔ اس لئے نظر وں کو محدود ہو کر نہیں رہ جانا چاہیے۔ اول
 روز سے اسلام کے عظیم رہبر گی توجہ اس جانب رہی ہے اور آپ اسے اپنے اصحاب
 کے گوش گزار کرتے رہے ہیں۔ رسول اکرم نے بار بار اپنے کلمات میں اس نکتہ کی
 طرف توجہ دلائی ہے کہ قرآن کو ایک خاص زمانے کی دانش و بنیش کے ساتھ محدود نہ
 کرو۔ آپ نے فرمایا:

”قرآن کا ظاہر خوبصورت اور اس کا باطن عمیق ہے جس کی ایک حد و نہایت
 ہے پھر اس کے اوپر ایک اور حد و نہایت ہے اس کے عجائب یہاں کبھی ختم نہیں

اگر کوئی شخص یہ پوچھے کہ کیا اس سابق عہد کے علماء اپنے اس وقت کے تفہیم اور طرز فکر کے ساتھ مجتہد کے مقام پر فائز رہے ہیں؟ اور کیا وہ اس بات کے مستحق تھے کہ عوام ان کی تقلید کرتے اور ان کے تفہیم کو اسلامی ضوابط کی تثییض و تدوین کا اہل اقرار دیتے؟ ان سوالات کا جواب اثبات میں دیا جائے گا۔

پھر اگر یہ سوال کیا گیا کہ موجودہ دور میں اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ چوچھی اور پانچویں صدی کے بعد کی تمام کتابیں اور تالیفات اور آثار کو جوں کا توں قبول کر لے اور خود کو پانچویں صدی میں فرض کرے اور شیخ طوسی جیسے علماء نے جن کتابوں کا مطالعہ کیا تھا ان ہی کا وہ بھی مطالعہ کرے اور وہ طرز فکر اور وہی تفہیم اپنے اندر پیدا کرے جو ان علماء نے اپنے اندر پیدا کیا تھا تو کیا وہ مجتہد کہلا سکے گا اور لوگوں کو یہ حق حاصل ہو گا کہ اس کی تقلید کریں؟ اس کا جواب نفی میں دیا جائے گا۔ آخر ایسا کیوں؟

اس شخص کے درمیان اور پانچویں صدی کے لوگوں کے درمیان کیا فرق ہے؟ فرق یہ ہے کہ ان علماء نے جس دور میں زندگی بسر کر رہے ہیں جس میں ماضی کے اسی دور کے لئے تھی۔ یہ شخص ایسے عہد میں زندگی بسر کر رہے ہیں جس میں ماضی کے اس طرز فکر و تفہیم کی جگہ ایک جدید طرز فکر اور تفہیم نے لے لی ہے اور ماضی کا وہ طرز فکر اب منسوخ ہو چکا ہے۔

اس سے یہ بات بخوبی سمجھی جا سکتی ہے کہ اجتہاد ایک اضافی اور تکالی مفہوم رکھتا ہے اور ہر دور ایک مخصوص دانش و بینش پیدا کرتا ہے۔ یہ اضافت دو چیزوں سے ختم ہو جاتی ہے۔ کشف و تحقیق کے لئے اسلامی سرچشمتوں کی بے پایان وسعت و صلاحیت اور دوسرے انسانی افکار اور علوم طبیعی کی تکمیل خاتمیت کا سب سے بڑا راز یہی ہے۔



حدیث پہنچے وہ حدیث پہنچانے والے سے زیادہ تفہیم کا مالک۔ ۱ تاریخ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ بعد کے زمانوں میں آنحضرتؐ کی احادیث مفہوم و مطالب کے تجھے میں پہلے سے زیادہ تفہیم سے کام لینے کی ضرورت پیش آئی۔

اجتہاد کی اضافت

ترقی و تکمیل کی طرف مسلسل بڑھنے والی دانش و بینش کا اثر کسی جگہ اس قدر محسوس نہیں کیا جا سکتا جس قدر کہ فقہی مسائل میں اسے دیکھا جا سکتا ہے۔ تفہیم اسلامی پر کئی دور گزر رکھے ہیں ہر دور میں ایک خاص طرز فکر اور ایک خاص دانش حکم فرمائی ہے۔ آج کے استنباط کے قواعد اور اصول ہزار سال اور سات سو سال پہلے کے قواعد و اصول سے مختلف ہیں۔ ایک ہزار سال پہلے کے علماء جیسے شیخ طوسی یقیناً ایک ممتاز مجتہد رہے ہیں اور لوگوں نے ان کی جو بیروی و تقلید کی ہے وہ صحیح ہے قدیم علماء کا طرز فکر ان کی ایسی کتابوں سے واضح ہے جو فہمہ خصوصاً فاقہ پر لکھی گئی ہے۔

شیخ طوسی کی اصول فقہ پر بعض کتابیں ان کے طرز فکر کو بخوبی ظاہر کرتی ہیں۔ یہ کتابیں آج بھی موجود ہیں۔

حالیہ ادوار کے فقہا پر نظر ڈالیں تو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ سابق طرز فکر منسوخ ہو گیا ہے۔ اس لئے کہ جدید تر عین تراور و سیع ترا دانش نے پرانے طرز فکر کی جگہ حاصل کر لی ہے جیسا کہ موجودہ دور میں سماں، نفیسیات اور قانون کے شعبوں میں علم و دانش نے فقہی مسائل میں زیادہ گہرائی کے امکانات پیدا کر دیے ہیں۔

۱) نصر اللہ عبد اَسْمَعْ مقالتی فو عا ها و بلغہ ا من لم سیمیعہا فرب حامل فقهہ غیر

فقیہ و رب حامل فقهہ ا لی من هو فقهہ منه (اصول کافی، ج 1 ص 402)